اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

IFTIKHAR BOOK DEPOT (REGD.)
ISLAMPURA LAHORE

تالیف : پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری مرحوم

اللہ بک ایجنسی
بازار، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰
فون 2431577

વકફ

આ કિતાબ હાજી મહમદઅલી ભાઈ
અલીભાઈ સુંદરજી "સોમાસોક"
તનનરીવ માડાગાસ્કારવાળા તરફથી
તેમના મરહુમ સગાવહાલાઓની
રૂહોના સબવાબ અર્થે
વકફ કરવામાં આવેલ છે.
લાભ લેનાર ભાઈ બહેનો મરહુમોની
અરવાહોના સવાબ અર્થે એક
સુરએ ફાતેહા પઢી બક્ષી આપે
એવી નમ્ર અરજ છે.

حفظ کن تاریخ را پائندہ شو
از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو (اقبال)

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

—— جلد اوّل ——

شیعہ طلباء و طالبات کے لئے

۱۳۷۹ھ تا ۱۹۶۰ء

—— تالیف ——

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری

—— ناشر ——

افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور

(جملہ حقوق محفوظ)

ناشر . . . . افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور
تجدید نظر . . . . سید اعجاز محمد — فاضل
سنہ تالیف . . . . ۱۳۷۹ھ ، ۱۹۶۰ء
بار . . . . چہارم
سنہ طباعت ۱۹۹۰ء
کتابت محمد رمضان
تعداد . . . . ایک ہزار
مطبع . . . . پرلس لاہور
قیمت . . . . روپے

اِک ابرِ کرم فضا فضا میں برسا
پھر کُفر کی گھنگھور گھٹا میں برسا
کعبہ سے چلا تو چھا گیا طیبہ پر
طیبہ سے اُٹھا تو کربلا میں برسا
(ساغر نظامی)

تاریخِ اسلام

دَورِ رسالت

سنہ عام الفیل سے ۱۱ھ تک

عرضِ ناشر

یوں تو اُردو زبان میں بھی "اسلام اور مسلمانوں" کی تواریخ کی کوئی کمی نہیں۔ لیکن اسے اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے کہ طلباء کی ذہنی استعداد اور شیعہ نقطۂ نظر کے مطابق تاحال ایک تاریخ بھی مرتب نہیں ہوسکی۔

مدتوں سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور جب سے کہ فوقانی مدارس میں "تاریخِ اسلام" کو لازمی مضمون قرار دیا گیا ہے، اس وقت سے تو شدت احتیاج کی کوئی حد نہ رہی۔

چنانچہ ضرورت واہمیّت کو دیکھتے ہوئے ہماری گزارش پر فاضل محترم جناب پروفیسر خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری نے ہمّت فرمائی۔ اور بحمدہ تعالیٰ تھوڑے ہی عرصہ میں اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔

یہ مجموعہ اسلام اور مسلمانوں کی زرین تاریخ کا پہلا حصّہ ہے۔ جو ملک عرب، دَورِ جاہلیت اَور عہدِ رسالتؐ کے تمام وکمال حالات پر مشتمل ہے۔ نیز بلا مبالغہ اپنی نوعیت کی پہلی تالیف ہے۔ جسے "افتخار" بک ڈپو لاہور پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔

محترم مؤلف نے سالہا سال کے تعلیمی تجربوں کی بناء پر ان اوراق کو نہ صرف ایک مفید ترین درسی تاریخ کی حیثیت دی ہے۔ بلکہ اپنے وسیع مطالعہ سے صحیح حقائق کے قابلِ فخر ذخیرے میں لائق ستائش اضافہ بھی فرمایا ہے۔

یقین ہے کہ یہ پیش کش شیعہ طلباء و طالبات کے لئے نفع رساں ثابت ہوگی۔ اسی طرح تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے عام حلقوں کو بھی فائدہ پہنچائیگی۔

ناشر

حفظ کُن تاریخ را پایندہ شو
از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

تاریخ کی اہمیّت

۱۔ تاریخ حق و باطل کے قوانین کی صدیوں تک گونجنے والی آواز ہے۔

۲۔ تاریخ انسانی زندگی کے تجربات کی کان ہے، دورِ حاضر کے نوجوانوں کو گذشتہ نسلوں کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے کے لئے تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

۳۔ تاریخ شانِ الٰہی کی مظہر اور وجودِ خالق کی بیّن دلیل ہے۔

۴۔ تاریخ وُہ مرکزی مضمون ہے۔ جس کے اردگرد نصابِ تعلیم کے قصر کو تعمیر کرنا چاہیئے۔

۵۔ تاریخ وُہ عظیم الشان محرک ہے۔ جو خفتہ قوم کو بیدار اور مُردہ ملّت کو زندہ کرتا ہے۔

۶۔ تاریخ انسانی فطرت میں دلچسپی کی خالق ہے۔

۷۔ تاریخ ملّت کے نوجوانوں میں جوشِ عمل پیدا کرتی ہے، ان کے تصوّرات کو روشن کرتی ہے۔ اور انہیں اُن کے ماضی سے متعارف کراتی ہے اور ان کے مستقبل کو شاندار بنانے میں مدد دیتی ہے۔

۸۔ تاریخ نظریات و اعتقادات، خواہشات و افکار، احساسات کمتری و برتری، مسائل معیشت و اقتصادیات کے تصادم کو کہتے ہیں۔

۹۔ تاریخ اُن خوشگوار یا ناگوار نتائج کا تذکرہ ہے، جو متضاد طاقتوں کے ٹکرانے

سے ظہور میں آتے ہیں ۔

۱۰ - تاریخ ایسے واقعات کو چنتے ہیں، جن کے گہرے نقوش محض ایک خاص دَور کے افکار و افعال پر پڑ کر مٹ نہ گئے ہوں بلکہ اُن کے اثرات نسلِ انسانی پر مرتب ہوتے رہیں ۔

۱۱ - تاریخ مذہبی اوامر و نواہی کو جو بظاہر انسانی طبائع کے لئے ناگوار ہیں خوشگوار اور دلچسپ بنا کر قابلِ عمل بناتی ہے ۔

۱۲ - تاریخ فلسفۂ اخلاق جیسے خشک مضمون کو قصوں اور کہانیوں کی چاشنی سے دلچسپ، پُر لطف اور رنگین بناتی ہے ۔

۱۳ - تاریخ حق و باطل میں تمیز پیدا کرتی ہے، حق کے ثمرات اور باطل کے قبیح نتائج کا عرفان پیدا کرتی ہے ۔

۱۴ - تاریخ عزم و استقلال کی عظمت کا انسانی طبیعت پر سکّہ بٹھا کر انسان کو کشمکش حیات میں کامیابی کے لئے آمادہ کرتی ہے ۔

تاریخ کی یہی خصوصیات ہیں، جن کی وجہ سے اسے الہام کا جزو قرار دیا گیا۔ الہامی کتابیں اکثر تاریخی واقعات سے مالامال ہیں خود قرآن حکیم کا ایک تہائی حصہ تاریخ سلف کے لئے وقف کر دیا گیا ہے اس سراپا اعجاز کتاب میں انتہائے ایجاز کے ساتھ واقعاتِ تاریخ و سیرت کو بیان کیا گیا ہے۔ ان واقعات کے نتائج کو صالح اخلاق، صالح معاشرت اور صالح تمدّن کی تاریخ کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید، میں انتہائی نیک انسانوں کے واقعات ہیں۔ تاکہ اُن سے نیکی کی ترغیب ہو اور نہایت بُرے انسانوں کے واقعات بھی ہیں۔ تاکہ بُرائی سے نفرت ہو، اور ہم اس سے بچ سکیں، ہمیں تاریخ نویسی میں قرآن کی اس روش کو ہی اختیار کرنا چاہیئے ۔

محمد لطیف انصاری

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پہلا باب (جغرافیائی حالت) عرب کا حدود اربعہ۔ رقبہ اور آبادی۔ مختلف حصّے۔ وادیاں آب و ہوا۔ پیداوار۔ خوراک اور باشندے ۔	۱۱
۲	دوسرا باب (سرکار رسالت سے پہلے کے حالات) دُنیا کی حالت، عرب کی مذہبی، سیاسی، اخلاقی، معاشرتی تمدنی اور تعلیمی حالت ۔	۱۹
۳	تیسرا باب (اُمّتِ مُسلمہ) خاندانِ رسالت۔ حضرت فہر۔ حضرت قصیٰ، خاندانِ حضرت عبدمناف حضرت ہاشم، بنی ہاشم و بنی امیہ کا عناد۔ حضرت عبدالمطلبؓ حضرت ابو طالبؓ، شجرۂ نسب خاندانِ رسالت ۔	۲۷
۴	چوتھا باب (ولادت سرکار رسالتؐ اور چالیس سالہ زندگی) حضرت عبداللہ کی وفات، ولادت باسعادت۔ والدہ کا انتقال دادا کی وفات۔ حضرت ابوطالبؓ کی کفالت۔ بچپن۔ گلّہ بانی۔ کاروباری زندگی۔ معاہدہ حلف الفضول۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح۔ ولادت علیؓ۔ کعبہ کی تعمیر جدید ۔	۳۲
۵	پانچواں باب (بعثت و دعوت اسلام) سبقت اسلام، دعوتِ ذوالعشیرہ۔ مخالفت قریش۔ حمایت ابوطالب۔ کفار کی پیشکش اور اُن کے مظالم ۔	۳۹
۶	چھٹا باب (ہجرت حبشہ و سوشل بائیکاٹ وغیرہ)	۴۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	پہلی ہجرت حبشہ - دوسری ہجرت حبشہ - حضرت عمر کا اسلام - سوشل بائیکاٹ اور نظر بندی - غم کا سال، حضرت ابو طالب کی وفات کا اثر - سفر طائف -	
۷	ساتواں باب (ہجرت مدینہ)	۵۰
	تبلیغ - بیعت عقبہ اولیٰ و عقبہ ثانیہ - دار الندوہ - ہجرت - علیؑ مرتضیٰ کا بستر پر سونا - غارِ ثور - کفار و علیؑ - مدینہ میں ورود مسعود - تعمیر مسجد نبویؐ عقد مواخاۃ، مہاجرین و انصار - دستور و آئین مدینہ -	
۸	آٹھواں باب (غزوات اور اُن کے اسباب)	۶۴
	غزوہ بدر اور اس کے نتائج - حضرت فاطمہؑ کا عقد - غزوۂ اُحد - حضرت حمزہؑ کی شہادت - مفرورین اُحد - جناب امیرؑ کا ثبات - رسول اللہؐ کے مصائب - حضرت حمزہ کی عزاداری کے لئے اہتمام - رسول اللہ قبور شہداء پر - ولادت حسنؑ و حسینؑ - رحلت جناب فاطمہ بنت اسد -	
۹	نواں باب (غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق)	۸۳
	جنگ کے اسباب، مسلمانوں کی تیاری، عمرو بن عبدود کی مبارز طلبی حضرت علیؑ میدان میں، فتح خندق اور اُس کے نتائج -	
۱۰	دسواں باب (صلح حدیبیہ)	۹۱
	بیعت رضوان - شرائط صلح - حضرت عمر کا مکالمہ - صلح حدیبیہ کے نتائج - عمرۃ القضا -	
۱۱	گیارھواں باب (حکمرانوں کو دعوتِ اسلام)	۱۰۰
	کسریٰ ایران - قیصر رُوم - شہنشاہ حبش - حکمران بحرین - عمان - مصر - یمامہ - شام و بُصریٰ -	
۱۲	بارھواں باب (مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات)، علیؑ،	۱۰۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	فاتح خیبر و معمار سلطنتِ اسلامیہ، حجاز میں یہودیوں کی پوزیشن اور اُن کی ریشہ دوانیاں - جنگِ خیبر - فتح خیبر اور اس کے نتائج مہاجرین حبشہ کی واپسی، فدک -	
۱۳	تیرھواں باب (رسول کا مکہ میں داخلہ)	۱۲۲
	طلقاء بنی امیہ کا اسلام، مکہ پر فوج کشی، قریش کی شکست، فتح مکہ کے نتائج - رحمۃ للعالمین کی شان عفو و رحمت -	
۱۴	چودھواں باب (جنگ حنین اور اس کے اسباب)	۱۳۰
	طائف کا محاصرہ - بنی امیہ کی اندرونی کیفیت - فاتح حنین علیؑ - مالِ غنیمت کی تقسیم -	
۱۵	پندرھواں باب (رومیوں سے مقابلہ)	۱۳۶
	جنگِ موتہ، غزوۂ تبوک - علیؑ خلیفہ رسولؐ - غزوۂ تبوک کے نتائج و اثرات - قرطاس نصاریٰ -	
۱۶	سولھواں باب	۱۴۴
	تبلیغ سورۂ براۃ - واقعہ مباہلہ -	
۱۷	سترھواں باب (حجۃ الوداع اور واقعۂ غدیر خم)	۱۴۷
	کار رسالت کی تکمیل، آخری خطبہ - ذریعہ ہدایت قرآن و اہلبیتؑ علیؑ مرتضےٰ کی ولیعہدی کا اعلان - تہنیت - حارث بن نعمان فہری کا واقعہ	
۱۸	اٹھارھواں باب (علالت سرکار رسالت اور جیش اسامہ کی تیاری)	۱۵۸
	واقعہ قرطاس - واقعۂ سقیفہ - وفات تجہیز و تکفین -	
۱۹	انیسواں باب (اخلاق و اوصاف محمدؐیہ)	۱۶۸
	قرآن ترجمان اخلاق - فاطمہؑ بضعۃ منی - حلیۂ مبارک - رفتار و گفتار خوراک لباس، آداب و اطوار وغیرہ، خوف خدا - محبتِ الٰہی،	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	توکل علی اللہ۔ صبر و شکر۔ حسنِ معاملہ، مساوات۔ شجاعت۔ راست گفتاری۔ مشرکین و منافقین کے ساتھ سلوک۔	
۲۰	بیسواں باب (سیاساتِ سرکارِ رسالتؐ) حکومت اور اسلام، انسانی زندگی کا مکمل پروگرام۔ سرکارِ رسالت کا نظریۂ حکومت۔ انتظام ملکی وغیرہ۔	۱۹۵

پہلا باب

عرب کی اہمیت اور جغرافیائی حالت

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا، جس نے "عرب" کا نام نہ سُنا ہو۔ وہ مشہور خطّہ جس میں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم مبعوث ہوئے اور حضورؐ کے بعد اہلِ بیت اطہارؑ کے بارہ معصوم امام کائنات کی ہدایت کا ذریعہ بنے "عرب" کہلاتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے مطالعہ سے پہلے اس سرزمین کے جغرافیائی حالات کا جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ جغرافیہ کا تاریخ پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

حدود اربعہ

عرب کے شمال میں صحرائے شام ہے۔ مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان ہیں۔ جنوب میں بحیرہ عرب اور مغرب میں بحیرہ قلزم یا بحیرۂ احمر واقع ہیں۔ اس کے تین طرف سمندر ہے اور جانب شمال خشکی یعنی شام کا ملک ہے، ایشیا کے جنوب مغرب میں عرب کا صحرائی ملک برّاعظم ایشیا کا ایک جزیرہ نما ہے۔ جو دُنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما اور وسعت میں فرانس سے دُگنا ہے۔ عرب کے باشندے اسے "جزیرۃ العرب" کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ جزیرہ نہیں بلکہ جزیرہ نما ہے۔ مگر عملی طور پر یہ جزیرہ ہی ہے چونکہ اس کے شمال میں نفود کا نہایت گرم صحرا ہے۔

رقبہ اور آبادی

عرب کا مجموعی رقبہ دس لاکھ مربع میل ہے اس صحرائی ملک کا عرض سات سو سے بارہ سو میل تک

ہے، اور پوری آبادی ساٹھ ستّر لاکھ کے قریب ہے جس میں سے دس لاکھ افراد حجاز میں بستے ہیں۔

مختلف حصّے

یہ زمین کا وسیع قطعہ مختلف حصّوں یا صوبوں میں تقسیم ہوا ہے یہ مختلف حصّے زمین کی حیثیت، آب وہوا اور اپنے باشندوں کی شکل وصورت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

حجاز

ملک عرب کا یہ شمالی پہاڑی حصّہ ہے جو سرحد شام تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو آباد کیا اور اللّٰہ نے حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کیا کہ "ان کے اُس سعید بیٹے کی اولاد میں سے اپنے آخری نبیؐ کو مبعوث فرمائے گا۔ اور ان ہی کی اولاد سے بارہ روحانی سردار یعنی بارہ امامؑ ہوں گے اور انہیں بڑی قوم بناتے گا۔" جیسا کہ آج تک یہ پیشینگوئی توریت میں موجود ہے۔ توریت میں حجاز کا نام فاران ہے، اس صوبہ کے مشہور شہر مکہ معظمہ، مدینہ منوّرہ اور بندرگاہ جدّہ ہیں۔

مکّہ معظمہ

اسی شہر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی اسی شہر میں خانہ کعبہ یعنی اللّٰہ کا گھر ہے۔ جس کی طرف رُخ کرکے دُنیا بھر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں، اسی خانہ خدا میں حضرت علیؑ مرتضٰےؑ کی ولادت ہوئی۔ اس شہر میں محسنِ اسلام حضرت ابو طالبؑ کا مزار ہے۔ جن کی عزت ووقار کے سایہ میں اسلام نے اپنی ابتدائی منزلیں طے کیں اور محسنۂ اسلام خدیجہ طاہرہؑ کی قبر مطہر بھی اسی شہر میں ہے جن کی دولت اسلام کی مالی ضروریات کو پورا کرنے میں صرف ہوئی۔

مدینہ طیبّہ یا مدینہ منوّرہ: اس مُبارک شہر کا قدیمی نام یثرب تھا۔ جب رسولؐ اللّٰہ ہجرت فرما کر اس شہر میں سکونت پذیر ہوتے۔ تو اسے مدینۃ الرسولؐ یا مدینۃ النبیؐ کہنے لگے، پھر کثرت استعمال سے مدینہ مشہور ہوگیا اور اس کی عزّت واحترام

کی وجہ سے اسے مدینہ منوّرہ یا مدینہ طیبّہ یا مدینہ مبارکہ کہتے ہیں یہ شہر مکّہ معظمہ سے دوسو ستر میل شمال کی جانب آباد ہے۔ اس کی آب وہوا مکہ معظمہ سے بہتر ہے۔ یہ شہر اس قدر گرم خشک نہیں جس قدر مکہ معظمہ ہے اسی جگہ مسجد نبویؐ اور سرکار رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ پاک ہے اور اسی جگہ حضرت علیؑ کی والدہ سرکارِ شفقت حضرت فاطمہؑ بنت اسد۔ سرکارِ عصمت سیدہ عالم حضرت فاطمہ زہراؑ، سرکارِ صلح حضرت حضرت امام حسنؑ۔ سرکارِ صبر حضرت امام زین العابدینؑ علیؑ ابن الحسینؑ۔ سرکار علم وعرفان امام محمد باقرؑ اور سرکار صدق وصفا امام جعفر صادق علیہم السّلام کے مزاراتِ مقدسہ ہیں۔ نیز بہت سے صحابہ اخیار اور پیغمبر اکرمؐ کی چند بیویاں بھی مدفون ہیں۔ جس قبرستان میں یہ مزاراتِ مقدسہ ہیں اسے "جنّت البقیع" کہتے ہیں۔ سرکارِ رسالتؐ کے والد ماجد —— حضرت عبداللّٰہ کا پاک مدفن بھی مدینہ طیبّہ میں ہے۔ جنّت البقیع کی جلیل الشان عمارتوں کو جو اسلامی فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ تھیں۔ سابق شاہ نجد وحجاز عبدالعزیز ابن سعود نے مسمار کرا دیا تھا۔ اب صرف قبروں کے نشان باقی ہیں۔

جدہ ۔ حجاز کی بندرگاہ ہے۔ جہاں دوسرے ملکوں سے آنے والے حجاج ساحلِ عرب پر اُترتے ہیں۔ یہ بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔

اِن بڑے شہروں کے علاوہ حجاز میں چھوٹے چھوٹے قصبے اور بستیاں بھی ہیں۔ بدر۔ اُحد۔ حدیبیہ۔ فدک۔ غدیرِ خم۔ خیبر اور طائف وغیرہ جن کا ہماری اس تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔

طائف۔ مکّہ کے قریب واقع ہے۔ یہ دامن کوہ میں ایک سرسبز وشاداب جگہ ہے۔ یہاں سے پانی کے چشمے بہتے ہیں اور پھلوں کی کثرت ہے اسے چمن زارِ حجاز کہنا بے جا نہیں، طائف میں علاوہ اور پھلوں کے انگور کثرت سے ہوتا ہے طائف حجاز کا صحت افزا مقام ہے۔ حجاز کے امیر لوگ موسم گرما یہیں گزارتے ہیں۔

بدر ۔ تاریخی مقام ہے۔ جہاں مسلمانوں کو کفار قریش سے سب سے پہلی لڑائی لڑنا پڑی ۔

اُحد ۔ بھی تاریخی اہمیت کا مقام ہے، یہاں بھی کفّار قریش سے جنگ ہوئی تھی۔

حدیبیہ ۔ اس عظیم الشان صلح کی یادگار ہے۔ جہاں پیغمبر امن نے کفّار مکّہ سے صلح کی تھی۔

فدک ۔ وہ زرخیز علاقہ ہے۔ جو فتح خیبر کے دبدبہ کی وجہ سے لڑے بغیر ہاتھ آیا تھا۔ اور رسولؐ اللہ کا خاصہ یعنی خالص ملکیت تھا جسے رسُولؐ اللہ نے اپنی بیٹی معصومہؑ کونین فاطمۃ الزہرؑا کو دے دیا تھا تاکہ جو مال حضرت خدیجہؑ اور حضرت ابو طالبؑ نے اسلام کے لئے صرف کیا تھا۔ اس کا کچھ معاوضہ ہو جاتے ۔

غدیر خم ۔ وُہ مقام ہے جہاں مولائے دو جہاں رسولؐ اللہ نے ولایتِ علیؑ ابنِ ابی طالب کا اعلان کر کے انہیں اپنا جانشین اور اپنے بعد کے لئے مولا قرار دیا تھا۔

خیبر ۔ وُہ عظیم الشان تاریخی مقام ہے۔ جہاں رسولؐ اللہ سے یہودیوں کی پہلی اور آخری لڑائی ہوئی۔ ابتدا میں مسلمانوں کے خیبر پر لگاتار حملے ہوتے رہے لیکن فتح نہ ہوا۔ اس وقت جب مسلمانوں پر انتہائی مایوسی طاری تھی۔ حیدرِ کرار علیؑ مرتضیٰ نے خیبر کو فتح کیا اس لئے آپ فاتح خیبر کہلاتے ہیں یہ لڑائی اسلامی سلطنت کا سنگِ بنیاد تھا اور اسی لڑائی کے دبدبہ سے یہودی نو آبادیاں، فدک، تیما اور وادیِ القریٰ نے جو نہایت زرخیز تھیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اور ان کی مالی حالت درست ہوئی۔ حجاز کے علاوہ عرب کے دُوسرے حصّے یہ ہیں ۔

تہامہ ۔ بحیرہ قلزم اور پہاڑوں کے درمیان ایک تیس ۳۰ میل چوڑا میدان ہے جسے تہامہ کہتے ہیں ۔

النفود ۔ عرب کا شمالی ریگستان ہے۔ جہاں بادِ سموم کے طوفان آتے ہیں۔ یہاں موسم سرما میں کچھ بارش ہو جاتی ہے۔ اور اس بارش سے کچھ جھاڑیاں اُگتی ہیں جو بدو عربوں کے مویشیوں کی خوراک ہوتی ہیں۔

حرّہ ۔ لاوے کی سرزمین ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں آتش فشاں پہاڑ تھے، یہ منجمد لاوہ کی پتھریلی ناہموار زمین ہے یہاں سے چوپاؤں اور انسانوں کے لئے گزرنا مشکل ہے احساء اور بحرین عرب کے بنجر علاقے ہیں۔

صحرائے الدھنا : عرب کا بنجر علاقہ ہے جو نجد سے حضر موت تک پھیلا ہوا ہے ۔

یمن ۔ آب و ہوا کے لحاظ سے عرب کا بہترین علاقہ ہے یہاں باقاعدہ زراعت ہوتی ہے یہ خطہ عرب کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع ہے یہاں "کافی" بہت ہوتی ہے ۔

نجد ۔ جزیرہ نمائے عرب کا وسطی علاقہ جو حجاز کے مشرق کی طرف واقع ہے اس کا دارالحکومت الریاض ہے اور بلند ترین پہاڑ کوہ شمر ہے۔ اس کا اکثر حصّہ صحرائی ہے ۔

حضر موت ۔ عرب کا جنوبی حصّہ ہے ۔ عذابِ الہٰی سے تباہ ہونے والی عاد و ثمود قوموں کا وطن تھا۔ یہاں قبائلی شیوخ حکمران ہیں۔ جو عدن کی برطانوی حکومت کے زیر اثر ہیں ۔

عمان ۔ صحرائے الدھنا کے مشرق میں ہے یہ ایک علیٰحدہ حکومت کا ملک ہے۔ یہاں کھیتی باڑی ہوتی ہے اور معدنیات بھی نکالے جاتے ہیں۔

نجران ۔ یہ عربی علاقہ یمن کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ رسولؐ اللہ کے زمانے میں یہاں عیسائی آباد تھے۔ وہ مناظرہ کے لئے سرکارِ رسالت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ جب انہوں نے مکابرہ اختیار کیا۔ تو رسولؐ اللہ نے انہیں مباہلہ کا چیلنج دیا اور اس مباہلہ میں حضور معصومۂ کونین حضرت فاطمہؑ اور

سرکار ولایت علیؑ ابن طالب اور سبطین شریفین حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو لے گئے۔ نہ کسی صحابی کو ساتھ لیا تھا اور نہ کسی ام المومنین کو۔ عیسائی ان نورانی صورتوں سے ایسے متاثر ہوئے کہ مباہلہ سے انکار کیا۔ اور جزیہ دینا منظور کرلیا۔ نجران میں بارش ہوتی ہے۔ اس لئے یہ علاقہ کھیتی باڑی کا علاقہ ہے۔

عسیر۔ نجران سے ملا ہوا عسیر کا علاقہ ہے۔ یہاں بھی بارش ہوتی ہے۔ اس لئے یمن کی طرح یہاں بھی زراعت خوب ہوتی ہے۔

عرب کی وادیاں

عرب میں کوئی مستقل دریا نہیں۔ جو سال بھر جاری رہتا ہو۔ مگر جب بارش ہوتی ہے تو بارش کا پانی چند ہفتے یا چند دن بہنے کے لئے کچھ گزرگاہیں بناتا ہے اس بہنے والے پانی کو "سیل" اور اس گزرگاہ کو "وادی" کہتے ہیں۔ عرب ان گزرگاہوں میں کنوئیں کھودتے ہیں اور انہیں ان کنوؤں سے پانی آسانی سے مل جاتا ہے۔

ان وادیوں سے متصل زمینوں میں کھجوروں کے باغات ہوتے ہیں۔

ان ہی وادیوں کے ساتھ عرب کی سڑکیں، شاہراہیں اور راستے ہیں۔ جن پر عرب سفر کرتے ہیں۔ مشہور وادیوں کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

وادی حنیفہ: خطۂ نجد کی وادی ہے۔ اسی کے فیضان سے نجد میں کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔

وادی الرمہ۔ یہ وادی عرب کے وسط سے گزرتی ہے۔ مدینہ سے شروع ہوتی ہے۔ شط العرب پر ختم ہوجاتی ہے۔

عرب کی آب و ہوا

عرب بہت ہی گرم علاقہ ہے۔ خطِ سرطان اس کے درمیان سے گزرتا ہے، یہاں سخت گرمی پڑتی ہے اور صحراؤں میں لُو (بادسموم) چلتی ہے۔ چونکہ ریگستان ہے اور ریت کی خاصیت ہے کہ جلد ہی گرم ہوجاتی ہے اور جلد ہی سرد پڑ جاتی ہے۔ اس لئے دن سخت گرم ہوتے ہیں اور راتیں سرد اور خوشگوار ہوتی ہیں۔

اس لئے عرب عموماً راتوں میں سفر کرتے ہیں۔

پیداوار

عرب کی سب سے بڑی پیداوار کھجوریں ہیں۔ یمن میں گندم اور بعض دوسرے اناج بھی پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستانوں میں مکئی، جَو اور گندم کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ عمان اور احساء کے علاقوں میں چاول بھی بوتے جاتے ہیں۔ احساء اور بحرین کے علاقوں میں تیل کے چشمے ہیں جو غیر ملکی کمپنیوں کے اجارہ میں ہیں۔ بحرین میں سمندر سے موتی بھی نکالے جاتے ہیں۔

درخت

عرب کے عام صحراؤں میں کیکر، ببول اور خاردار جھاڑیاں پائی جاتی ہیں۔

مویشی

عرب کا مشہور جانور اونٹ ہے۔ جسے "صحرا کا جہاز" کہتے ہیں۔ وہ عربوں کی اکثر ضروریات زندگی بہم پہنچاتا ہے سواری اور مال برداری کے کام آتا ہے۔ عرب کے گھوڑے بھی مشہور ہیں۔ بہترین نسل کے گھوڑے نجد میں ہوتے ہیں۔

خوراک

عربوں کی عام خوراک کھجوریں، ستّو، اونٹنی کا دودھ اور اُونٹ کا گوشت ہے۔

باشندے

عرب میں دو طرح کی آبادی ہے۔ حضری اور بدوی۔ حضری ایسے لوگوں کو کہتے ہیں۔ جو شہروں اور قصبوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بدوی ایسے لوگوں کو کہتے ہیں۔ جو خانہ بدوش ہیں یہ لوگ پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے رہتے ہیں۔ بدو کا لفظ بادیہ سے نکلا ہے۔ بادیہ سے مراد صحرا ہے۔ ملک کی زیادہ آبادی انہی بدوؤں کی ہے۔ ریوڑ چرانا اِن کا پیشہ ہے، مویشیوں پر ان کی گذر اوقات ہے عرب کے تمام باشندے سامی نسل سے ہیں یعنی وہ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ہیں۔

عرب کی تاریخ میں ان کی تین جماعتیں مشہور ہیں :
(۱) عرب بائدہ (۲) عرب عاربہ یا بنی قحطان (۳) عرب مستعربہ یا بنی عدنان ۔

۱۔ **عرب بائدہ** ۔ عرب کے قدیم باشندے ہیں۔ جو انقلاباتِ زمانہ سے تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اب سرزمین عرب پر ان کا نشان تک نہیں۔ ان میں طسم۔ جدیس۔ عاد و ثمود مشہور قبائل ہوتے ہیں ۔

۲۔ **عرب عاربہ یا بنی قحطان** ۔ شام کی چوتھی اور حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں قحطان نامی شخص کی اولاد ہیں۔ ان لوگوں کا اصل وطن یمن تھا۔ جہاں انہوں نے عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی۔ قحطان کی تیسری پشت میں سباء اکبر اس سلطنت کا بانی تھا۔ یمن سے نکل کر یہ عرب بائدہ کی تباہی کے بعد تمام عرب میں پھیل گئے تھے، ان کی مشہور شاخیں بنی جرہم بنی یعرب، بنی لخم، بنی غسان اور بنی کندہ ہیں ۔

۱۔ بنو لخم نے سرحد عرب و ایران پر ایک ریاست قائم کرلی تھی۔ جس کا صدر مقام حیرہ تھا۔ یہ ریاست ایرانیوں کے ماتحت ایک حکومت تھی ۔

۲۔ بنو غسان کی حکومت سلطنت روما کے زیر اثر رومن ایمپائر کی سرحد پر تھی۔ انہوں نے رومیوں کے اثر سے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔

۳۔ بنو کندہ کی ریاست وسط عرب میں پھیلی ہوئی تھی ۔

۴۔ بنو خزرج اور بنو اوس بھی عرب عاربہ یعنی قحطان کی اولاد ہیں۔ ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ کہ یہ یثرب میں آباد ہوں، اور مکہ کا جلاوطن رسولؐ خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یثرب کو مدینہ منورہ بناتے تو یہ ان کی نصرت کی سعادت سے انصار کہلائیں اور ان کی اولاد قیامت تک انصاری کی نسبت سے فخر کرتی رہے۔

۳۔ **عرب مستعربہ یا بنی عدنان** ۔ یہ لوگ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہیں

عدنان آپ سے چالیسویں پشت میں تھے، حجاز اور نجد کے اکثر باشندے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں۔ قریش بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ قریش میں سے بنو ہاشم وہ شاخ ہے جن کے افراد حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہم السّلام کے مذہب کے امانتدار تھے اور اُمّتِ مسلمہ تھے۔ انہیں یہ فخر ہے کہ انبیاء کا سردار اور رسولوں کا خاتمؐ ان میں ہی پیدا ہوا اور پھر رشد و ہدایت اس خاندان میں قیامت تک کے لئے وقف ہوگئی۔ رسولؐ اللہ کے بعد ولایت و امامت، عصمت و طہارت، علم و حکمت یہ سب اوصاف ان کے حصہ میں آتے ۔

دوسرا باب

سرکارِ رسالت سے پہلے دُنیا اور بالخصوص عرب کی حالت

دُنیا کی حالت :

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے دُنیا پر ایک خزاں کا عالم تھا۔ عالمِ انسانیت پر کفر و ضلالت، ظلم و جور اور فسق و فجور کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ گذشتہ انبیاء کی محنت برباد ہوچکی تھی۔ مختلف سابقہ تہذیبوں کے اثرات زائل ہو چکے تھے ۔

دین عیسوی میں شرک آچکا تھا۔ تثلیث نے توحید کو مسخ کر دیا تھا مسیح علیہ السّلام کو کوئی خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ کوئی خدا ۔ حضرت مریمؑ اور حضرت

عیسیٰؑ کے بتوں کی پرستش ہورہی تھی، جس کے اب تک آثار فرقہ رومن کیتھلک میں موجود ہیں۔ ظاہری رہبانیت نے انسانی اخلاق کو تباہ کر دیا تھا۔ پادریوں کی جہالت سے علمی تحقیقات کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یہودی جو اپنے آپ کو خدا کے چہیتے بیٹے سمجھتے تھے، ان پر ذلّت طاری ہو چکی تھی۔ ہندوستان میں بُت پرستی عام تھی۔ حیوانوں، درختوں، قدرت کی طاقتوں، پتھر کے بتوں۔ اجرامِ فلکی۔ سورج، چاند اور ستاروں کو خدا سمجھ کر پوجا جا رہا تھا۔ کروڑوں دیوتاؤں کی عبادت ہو رہی تھی، وام مارگ زوروں پر تھا۔ یہ وہ ننگ انسانیت مذہب تھا۔ جس میں ہر طرح کی بدکاری۔ گناہ، قتل و غارت، اور فسق و فجور کو نیکی اور عبادت سمجھا جا رہا تھا۔ ان افعال کے مرتکب مہاتما یا مہاپرش کہلاتے تھے۔ ایرانیوں میں ثنویت کا عقیدہ سرایت کر گیا تھا، یعنی وہ دو خداؤں کے قائل تھے، خیر و نیکی کے خدا کو یزدان اور شر یعنی بدی کے خدا کو اہرمن کہتے تھے۔ آتش پرستی عام تھی۔ محرمات سے بیاہ رچاتے جاتے تھے۔ مصر میں ستارہ پرستی عام تھی۔ پادریوں کی جہالت سے یونانی علم و حکمت کے خزانے مقفل پڑے تھے۔ طاقت کی دنیا بھر میں حکمرانی تھی۔ غریبوں ناداروں کو کچلا جا رہا تھا۔ سرمایہ داری کے خون آشام پنجے کمزوروں کا خون بہا رہے تھے، سود خوری عام تھی، ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا۔

خلّاقِ عالم نے چاہا، کہ دنیا کا آخری نبیؐ سارے عالم کا ہادی بن کر آئے اور عرب کی سرزمین سے توحید، اخوّت انسانی، مساوات اور امن کا پیغام ساری دنیا کو سُنائے۔ مگر جس سرزمین سے یہ الٰہی پیغام بلند ہونے والا تھا۔ اس کی اپنی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

عرب کی حالت

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے زمانہ کو اسلام کی اصطلاح میں دورِ جاہلیت کہتے ہیں۔ جب ہم حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو یہ نام عرب کے اس زمانے کے حالات کے پیشِ نظر موزوں ترین نام ہے۔

مذہبی حالت

زمانۂ جاہلیت میں عرب میں مختلف مذہب موجود تھے۔

۱۔ بُت پرستی :۔ عرب میں اکثریت کا مذہب بُت پرستی تھا۔ بے شمار بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ اللہ کا گھر جسے ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے حق پرست ہاتھوں نے تعمیر کیا تھا، بُت پرستی کا مرکز بُت خانہ تھا۔ جس میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوتے تھے۔ ہر قبیلہ کا بُت علیحدہ علیحدہ تھا۔

۲۔ خدا کا انکار :۔ بُت پرستوں کے علاوہ ناستک یعنی منکرین خدا بھی عرب میں موجود تھے، وہ خدا کے بھی منکر تھے اور اعمال کی جزا، سزا کے بھی منکر تھے۔ وُہ دنیا کو قدیم جانتے۔ یہ دہریہ مذہب کہلاتا تھا۔

۳۔ زندیق :۔ عقائد میں ایران نے بھی عربوں پر اثر ڈالا تھا۔ یعنی وہ "خالق خیر" اور "خالق شر" دو خداؤں کو مانتے تھے۔ یہ عقیدہ حیرہ کے رستے بنو لخم کے ذریعہ عرب میں داخل ہُوا۔ اس عقیدہ کا انسان زندیق کہلاتا تھا۔

۴۔ صابئین :۔ عرب میں ستارہ پرست بھی تھے، انہیں صابئین کہتے تھے، یہ لوگ ستاروں کو خدا کا شریک قرار دیتے تھے، اور ان کی پُوجا کرتے تھے،

۵۔ یہودیّت :۔ عرب میں یہودی بھی موجود تھے۔ سلطنت روما نے انہیں شام سے جلاوطن کردیا تھا۔ تو یہ حجاز میں داخل ہو کر وسط حجاز تک پھیل گئے تھے۔ ان کے اثرات سے بہت سے عربوں نے بھی یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا۔

۶۔ عیسائی :۔ سلطنت روما نے بنو غسان کے بعض قبائل کو جو عرب عاربہ تھے، عیسائی کرلیا تھا۔ اس لئے عرب میں عیسائی مذہب کے پیرو بھی موجود تھے۔

۷۔ اُمّتِ مسلمہ :۔ اولاد ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ میں سے ایک گروہ اُمتِ مسلمہ عرب میں موجود تھا۔ جنہوں نے کبھی بُت پرستی نہیں کی تھی۔ یہ خدا پرست موحد تھے، ملّتِ ابراہیمی اور دین حنیف پر تھے۔ یہی حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا تھے چنانچہ حضرت ہاشم، حضرت عبدالمطلب، حضرت عبداللہ اور حضرت ابو طالبؑ سب اُمتِ مسلمہ اور دین حنیف پر تھے، یہ مذہبِ ابراہیمؑ کے امانت دار تھے، اور حضرت اسمٰعیلؑ کے اوصیا تھے۔ ان کا دل عرب کی مشرکانہ حالت پر کڑھتا تھا اس لئے دُعائے خلیل کے منتظر تھے۔ اس خاتم الانبیاءؑ کا انتظار کر رہے تھے جو دعائے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے مطابق اسی اُمتِ مُسلّمہ میں سے مبعوث برسالت ہونے والا تھا۔

سیاسی حالت

جزیرہ نمائے عرب کے باشندے کبھی کسی خاص حاکم کے محکوم نہیں رہے۔ ان میں اگر کوئی نظام تھا تو صرف یہی کہ وہ اپنے قبیلہ کے ایک سردار کے ماتحت تھے۔ مختلف قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے، اور قتل و غارت میں مبتلا تھے۔ بکر و تغلب کی چالیس برس کی لگاتار لڑائیاں زمانۂ رسالت

سے تھوڑے عرصہ پہلے ختم ہوئی تھیں۔

حضرموت اور کندہ کے لوگ برسوں کی مسلسل جنگ میں تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ یثرب کے قبائل اوس و خزرج اپنی لڑائیوں میں اپنے سردار ضائع کر چکے تھے۔ خانہ کعبہ میں حرب الفجار کا سلسلہ جاری تھا۔ اور اللہ کا گھر میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے۔ جن کی بدولت سارا ملک قتل و غارت کی مصیبت میں گھرا ہُوا تھا۔

حیرہ کے عربی حکمران حالانکہ بہت ہی صاحب اقتدار تھے۔ ان کا مال بھی آسانی سے عکاظ کے بازاروں میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حج کے موسم میں جرائم پیشہ قبائل لُوٹ مار سے خوب ہاتھ رنگتے تھے۔ اسلم اور غفار کے قبیلے حاجیوں کا مال لُوٹنے میں مشہور تھے۔ طے کا قبیلہ جس قدر معزز و ممتاز تھا، اُسی قدر چوری اور رہزنی میں بدنام تھا۔ عرب کے دو مشہور شاعر سلیک ابن السلکہ اور تابط شرا عرب کی شاعری کی جان تھے۔ مگر ان کی شاعری کے کلیات، غارت گری کی کہانیاں ہیں۔ لوٹ مار سے ملک کی تجارت تباہ ہو چکی تھی۔ ملک کی شاہراہیں محفوظ نہ تھیں۔ تجارتی قافلے جن پر ملک کی گزر اوقات تھی، امن سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی۔ اور بیرونی کیفیت یہ تھی۔

مُلک کی سرحدوں پر روم و ایران جیسی ذی اقتدار سلطنتوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ زرخیز و سرسبز قطعات اِن کے قبضہ میں جا چکے تھے۔ قریب تھا کہ عرب پر سامراجی طاقتیں اپنا تسلّط قائم کرلیں۔ یمن، عمان اور بحرین کے علاقوں پر ایران کا مالکانہ قبضہ تھا۔ آلِ منذر کی حکومت کو فنا کرکے ایرانیوں نے ملک کے اندرونی حصّوں میں قدم بڑھا دیئے تھے۔ عرب سے ملے ہوئے حدود شام کے علاقوں پر رومیوں کا قبضہ

تھا۔ آلِ منان اور عرب کے دوسرے چھوٹے چھوٹے قبائل کے رئیس عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے اور ان کی ملکی امداد سے اہلِ روما ۸ھ ف میں مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔

شام اور فلسطین کے جلاوطن یہودی سرحدِ شام سے وسط حجاز تک آباد ہو گئے تھے، خیبر، تیمیا، فدک، وادی القریٰ جیسے زرخیز علاقے ان کے قبضہ میں تھے، جہاں ان کی تجارتی منڈیاں تھیں۔ قدیم زمانے میں یہودیوں کی کثرتِ مال نے جس طرح سپین اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہود کو ملکی نظم و نسق کا ایک خوفناک جزو بنا دیا تھا، اسی طرح عرب میں بھی ان کی یہی صورت حال تھی ان کا معاشی اقتدار مُلک کے باشندوں کو تباہ کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنی صیہونی نوآبادیوں میں مضبوط قلعے تعمیر کر لئے تھے، ان کا فوجی اقتدار مُلک کی آزادی کو سلب کرنے پر تُلا ہُوا تھا۔ وُہ عرب میں صیہونی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔

المختصر سرکارِ رسالت سے پہلے عرب میں اندرونی خلفشار بھی تھا اور عرب کو بیرونی خدشات بھی پیش تھے۔

اخلاقی و تمدنی حالت

عربوں میں جس طرح شراب خوری عام تھی۔ اسی طرح زنا، فسق و فجور بھی عام تھا۔ شراب خوری سے اگر ہر گھر شراب خانہ تھا تو سارا ملک بدکاری کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ زانیہ عورتیں اپنے مکانوں پر جھنڈے گاڑ لیتی تھیں۔ اسی لئے " ذات الرایات " جھنڈے والیاں کہلاتی تھیں۔ شراب سے سرشار ہو کر بے حیائی کی باتیں کرنا عیب نہ تھا۔ جُوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی۔ عربوں کو اپنی زبان اور ادب پر بہت ناز تھا۔ شاعری میں انہوں نے کمال حاصل کیا تھا۔ شعر و سخن میں اپنی بدکاریوں کا تذکرہ

فخر اور ناز سے کرتے تھے اور اپنی محبوب عورتوں کے نام لے لے کر بدکاری کی داستانیں بیان کی جاتی تھیں۔ حقیقی ماں کے علاوہ باپ کی دوسری بیویوں سے خواہشاتِ نفسانی کو پُورا کرنا ان کا معمول تھا۔ بیویوں کی تعداد مقرر نہیں تھی۔ لوگ بیسیوں شادیاں کر لیتے تھے۔ صنفِ نازک یعنی عورت ان کی نظروں میں بہت ذلیل تھی۔ اس لئے بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ مگر اُمتِ مسلمہ ان عیوب سے پاک تھی۔ عرب کی تاریخیں پڑھ جائیے۔ عرب کی قدیم داستانوں کا مطالعہ کیجئے۔ عرب کی گذشتہ روایات کو غور و فکر سے ٹٹولیئے۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤاجداد میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا۔ جس کے دامن جلال پر جاہلیت کے رسم و رواج کا ایک خفیف سے خفیف داغ بھی مل سکے۔ یہ اپنی معصُومانہ زندگیوں سے دینِ حنیف، ملّتِ ابراہیم یعنی اسلام حقیقی کے خاموش مبلّغ تھے اور ان تمام برائیوں سے پاک تھے۔ جو عربوں کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھیں۔

عربوں کی سوسائٹی تین طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ امیر طبقہ، متوسط طبقہ غریب اور مفلس طبقہ، تیسرا گروہ عرب میں کثرت سے تھا۔ اور وُہ پہلے طبقہ کے ظلم و جور کا تختۂ مشق تھا۔ صرف عرب میں اُمّتِ مسلّمہ یعنی حضرت محمد مصطفٰے اروا حنالہ الفدا کا گھرانا ہی ایسا گروہ تھا۔ جس کے دل میں بنی نوع انسان کا درد تھا۔ اور وہ اس تیسرے گروہ کے ہر مشکل کے وقت کام آتے تھے۔

عرب میں قدیم یونان کی طرح غلامی کا رواج تھا۔ سوسائٹی میں آزاد اور غلام دونوں طرح کے غلام موجود تھے۔ غلاموں اور لونڈیوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور ان بدنصیب انسانوں کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ عرب سوسائٹی کا مظلوم ترین گروہ تھا۔ بڑے

بڑے سرمایہ دار سُود پر روپیہ دیتے تھے، ان کے ہاں سُود کی شرح نہایت ظالمانہ تھی ۔

اقتصادی ومعاشی حالت

عرب کا بیشتر حصّہ صحرائی اور بنجر تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر عرب کے باشندوں کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس اقتصادی حالت کو باہمی جنگوں، اور لوٹ مار نے اور بھی تباہ کر دیا تھا۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی، جنہیں پیٹ بھر کے دو وقت کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ مُلک کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے خاندان رسالتؐ نے تجارت کو رواج دیا تھا۔ قصیٰ اور ہاشم عرب میں تجارتی فروغ کے علمبردار تھے۔ بعض عربوں میں تجارت سے وُہ خرابیاں آگئی تھیں۔ جو سرمایہ داری کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر خاندان رسالتؐ، ان خباثتوں سے پاک و پاکیزہ تھا۔ یہ لوگ "کماؤ اور تقسیم کرو" کے زرین اصول پر عامل تھے۔

عرب کے سرحدی علاقوں پر جو قبائل آباد تھے۔ انہوں نے ایرانی اور رومی بادشاہوں کی غلامی کا جوا اپنی گردن پر رکھ کر اپنی معاشی حالت کو اچھا کر لیا تھا مگر اس کی قیمت ملک سے غداری تھی۔ رُوما اور ایران کی سلطنتیں انہیں اپنے سامراجی عزائم کا آلۂ کار بنانا چاہتی تھیں۔

تعلیمی حالت

عرب میں پڑھے لکھے انسان خال خال تھے۔ البتہ عرب کے یہودی اور عیسائی کچھ تعلیم یافتہ تھے۔ یہ لوگ عبرانی، اور لاطینی زبانیں بھی جانتے تھے۔

تیسرا باب

اُمّتِ مسلمہ، خاندانِ رسالت

بنی ہاشم

فِہر

عرب میں قریش کا قبیلہ ممتاز قبیلہ تھا۔ جو فہر کی اولاد سے تھا۔ فہر کا لقب قریش تھا۔ حضرت فہر تیسری صدی عیسوی میں ہُوئے ہیں۔ یہ معد بن عدنان کی اولاد سے تھے، جو آلِ ابراہیم کی اُمّتِ مسلمہ سے تھے۔

قصیٰ

اس خاندان میں پانچویں صدی عیسوی میں قصیٰ ہوتے ہیں جنہوں نے عرب میں بڑی عزّت و بلندی حاصل کی، حضرت قصیٰ نے مکّہ معظمہ کی منتشر آبادی کو شہر میں تبدیل کیا۔ خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اپنی رہائش کے لئے عظیم الشان عمارت بنائی۔ جس کا ایوان کونسل ہال کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ عرب اسے " دارالندوہ" کہتے تھے۔ اور اس میں جمع ہو کر معاشرتی، تجارتی اور تمدنی امور کے فیصلے کرتے تھے۔ انہوں نے عرب کا دستور بنایا، نظامِ حکومت کو ترتیب دیا۔ خوراک، پانی کی بہم رسانی اور ٹیکسوں کے آئین و قوانین وضع کئے۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قصیٰ عرب میں تمدن کے بانی اور قوانین عرب کے واضع تھے۔ ان کی ان خدمات اور ان کے اقتدار کی وجہ سے عرب کے تمام معزز قبائل نے ان کی اطاعت میں اپنی گردنیں خم کر دیں اور انہیں اپنا سردار اور حکمران تسلیم

کیا۔ حضرت قصیٰ کا انتقال ۴۸۰ء میں ہوا۔

خاندانِ قصیٰ

خاندانِ قصیٰ کے افرادِ مسلمہ اپنے روشن کیرکٹر کی وجہ سے خانہ کعبہ کے محافظ بھی تھے۔ موسم حج کے منتظم بھی اور عرب کے مصلح بھی، ان کی رائے ہر معاملہ میں صائب تھی۔

عبد مناف

قصیٰ کے بیٹوں میں عبد مناف کو کعبہ کی تولیت اور قریش کی ریاست حاصل ہوئی۔ کعبہ کی تولیت ایک بہت بڑا منصب تھا جو اس خاندان سے مخصوص تھا۔ اس کے علاوہ سخاوت، شجاعت، عدالت غرضیکہ تمام اخلاقِ حسنہ سے عبد مناف آراستہ تھے۔

ہاشم

عبد مناف کے فرزندوں میں حضرت ہاشم بڑے صاحب صولت اور بااثر تھے۔ اگرچہ اُن کے بھائیوں میں عبد الشمس کا بھی شمار ہوتا ہے مگر اپنے باپ کے اوصاف کی پوری شان حضرت ہاشم ہی میں جلوہ نما تھی۔ اس لئے عبد مناف کے بعد تمام وُہ شرف جو عبد مناف کو حاصل تھے، حضرت ہاشم کے لئے تسلیم کئے گئے۔

بنی اُمیہ کا بنی ہاشم سے عناد

اُمیہ جو اپنے کو عبد الشمس کا بیٹا کہتا تھا اس نے ہاشم کا مقابلہ کرنا چاہا اور چاہا کہ عزت اور سرداری کا تاج حضرت ہاشم کے سَر سے اتار لے۔ مگر اُسے ناکامی اور رسوائی ہوئی۔ اس ناکامی سے مخالفت کی آگ کے شعلے اگرچہ وقتی طور پر دب گئے۔ مگر حسد و عناد کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگتی رہیں۔ بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے اختلاف کی بنیاد یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کا اختلاف قبائلی عناد نہ تھا بلکہ دونوں قبیلوں کی طبیعتیں متضاد تھیں۔

بنو ہاشم موحد خدا پرست تھے۔ تو بنو امیہ ماحول کے اثرات سے بت پرست ہو چکے تھے۔ بنو ہاشم میں شفقت و خلق کا جذبہ تھا۔ تو بنو امیہ سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھتے تھے۔ بنو ہاشم عفیف و پاکدامن اور ایثار و قربانی سے موصوف تھے۔ بنو امیہ اقتدار دوست تھے۔ بنو ہاشم مجسمہ روحانیت صاحبانِ سیاستِ روحانیہ تھے۔ بنو امیہ مجسمہ مادیت اور سیاست مادیہ رکھتے تھے۔ طبیعتوں کا یہ اختلاف چلتا رہا۔ ابوسفیان تا امکان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لڑتا رہا۔ معاویہ ابن ابوسفیان کا حضرت علیؑ سے مقابلہ رہا۔ متعدد لڑائیاں لڑیں اور ہزارہا مسلمانوں کا خون بہایا اور اس کا بیٹا یزید اس خون ریزی کا باعث ہوا۔ جو درد و دل رکھنے والے انسانوں کو قیامت تک خُون کے آنسو رلاتی رہے گی اور بنی امیّہ کے تاجداروں نے بنی ہاشم کے خون بہانے میں کبھی دریغ نہ کیا۔

حضرت ہاشم نہایت شریف، معزز و ممتاز تھے۔ کعبہ کی معزز خدمتیں ان کے سپرد تھیں۔ جو انہوں نے نہایت قابلیت سے انجام دیں، انہوں نے اپنے اثر و رسُوخ سے عرب کی تجارت کو فروغ دیا۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے کچھ خاص حقوق عرب تاجروں کے لئے حاصل کئے تھے، انہوں نے عرب جیسے بنجر ملک میں قلتِ غذا کی گتھیوں کو اپنے ناخن تدبیر سے سلجھا دیا تھا۔ ہاشم اُن کا لقب، اس لئے مشہور ہُوا کہ انہوں نے ایک دفعہ قحط کے زمانے میں روٹیاں، شوربہ میں چُور کے لوگوں کو کھلائیں۔ (عربی میں ہشم چُورنے کو کہتے ہیں)۔

حضرت ہاشم کا انتقال ۵۱۰ء میں ہُوا۔

عبد المطلبؑ

عبد المطلبؑ حضرت ہاشم کے فرزند نہایت بلند مرتبہ انسان تھے۔ وہ عرب میں "سیّد البطحا" کے لقب سے مشہور

ہیں حضرت عبدالمطلبؓ نے ۵۹ سال تک مکّہ پر حکومت کی۔ ان کا اعتماد، توکّل اور خدا پر بھروسہ ۵۷۰ء میں واقعۂ اصحابِ فیل سے ظاہر ہوا۔ ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا، حضرت عبدالمطلبؓ کی دُعا سے اللہ تعالےٰ نے اصحابِ فیل کو تباہ و برباد کر دیا۔ ۵۷۰ء کا سال عربی روایات میں اسی لئے "عام الفیل" کہلاتا ہے۔

حضرت عبدالمطلبؓ کے دسؔ بیٹے تھے۔ جن میں سے حضرت عبداللہؑ، اور حضرت ابو طالبؑ ایک ماں کے بطن سے تھے، حضرت عبدالمطلب کے چار بیٹوں کا ہماری اس تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ حضرت عمران ابو طالبؑ والد حضرت علی مرتضےٰؑ۔ حضرت عبداللہ والد حضرت محمّد مصطفےٰ صلعم۔ حضرت حمزہؑ سیّد الشہداء اور حضرت عباس مورثِ اعلیٰ خاندان عباسیہ، ایک بیٹا ابو لہب تھا۔ جو اسلام کی تحریکِ امن کا سخت مخالف تھا۔ اس کی شادی بنی امیہ میں ہوئی تھی۔ سُسرالی اثرات اس کی طبیعت میں گھر کر گئے تھے۔

حضرت ابوطالبؑ

حضرت عبداللہؑ تو حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں انتقال فرما چکے تھے۔ اس لئے حضرت عبدالمطلبؑ کی وفات کے بعد اُن کے تمام اختیارات حضرت ابو طالبؑ کو حاصل ہُوئے۔ حضرت ابوطالبؑ "شیخ البطحا" اور "سیّد القریش" کے القاب سے مشہور ہیں۔

وُہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ورثوں کے وارث تھے اور وہ ان امانتوں کے بھی وارث تھے، جو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل کی متروکہ تھیں، ان امانتوں میں سب سے بڑی امانت جو اُن کی حفاظت میں آئی۔ وُہ یتیم عبداللہ محمّد مصطفےٰ کی ذات تھی۔ اور وُہ قدرت کے مقاصد جو اس ذات سے وابستہ تھے۔ ان سب کی حفاظت حضرت ابوطالبؑ کے متعلق تھی۔

شجرہ نسب خاندانِ رسالتؐ

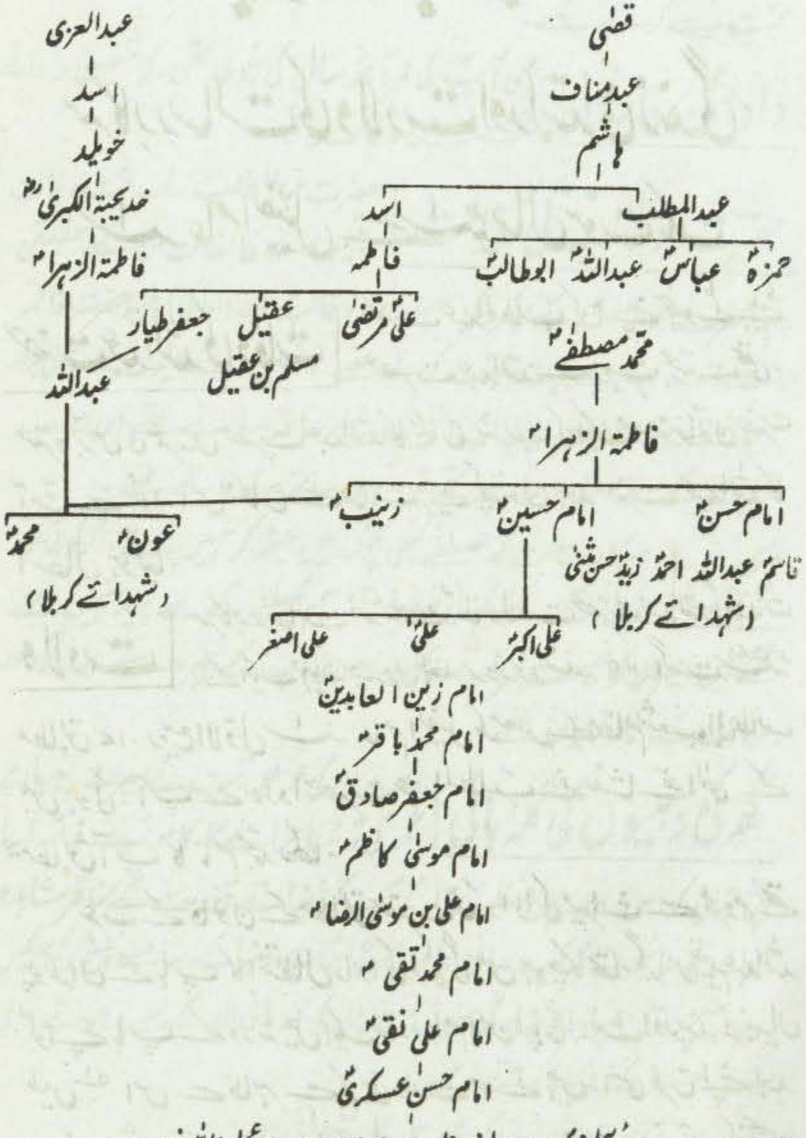

چوتھا باب

سرکارِ رسالت کی ولادت اور ابتدائی زندگی

۱ عام الفیل سے ۱ سال نبوّت تک

حضرت عبداللہ کی وفات حضرت عبدالمطلبؓ کو اپنے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ سے بہت محبّت تھی۔

سترہ برس کی عمر میں حضرت عبداللہ کا نکاح یثرب کی ایک معزز خاتون حضرت آمنہ سے ہُوا۔ اس نکاح سے سات مہینے کچھ دن بعد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔

ولادت سرکارِ رسالت محمد مصطفیٰؐ کی ولادت حضرت عبداللہ کی وفات کے ایک مہینہ چند دن بعد بروز دوشنبہ ۲۹۔ اگست ۵۷۰ء مطابق ۱۷۔ ربیع الاوّل ۱ عام الفیل مکہ معظمہ کے مقام شعب ابی طالب میں ہُوئی۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ نے منشائے الٰہی کے مطابق آپ کا نام محمّد رکھا۔

عرب کے قانون کے مطابق حضرت محمّدؐ دادا کی میراث سے محروم تھے چونکہ ان کے باپ کا انتقال دادا کی زندگی میں ہوچکا تھا۔ مگر اس یتیم عبداللہ کو اپنے باپ کے ورثہ میں ایک خادمہ ام ایمن، پانچ اونٹ اور چند دُنبیاں ملیں [۱] اس سے ظاہر ہے کہ نبی وارث ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنے بعد اپنے وارثوں کے لئے ورثہ چھوڑتے ہیں۔ انہی ام ایمن نے آپ کو بچپن میں کھلایا تھا۔ ان کا نام "برکت" تھا۔

۱۔ طبقات ابن سعد۔

والدہ کا انتقال حضورؐ کی عمر چھ برس کی تھی۔ جبکہ ماں کا سایہ شفقت سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کی پرورش آپ کے دادا بہت محبّت سے کرنے لگے۔

دادا کی وفات ابھی آپؐ کی عمر آٹھ سال کی ہُوئی تھی۔ کہ شفیق دادا نے ۵۷۹ء میں وفات پائی۔

حضرت ابوطالب کی کفالت حضرت عبدالمطلبؓ نے وقتِ وفات یتیم پوتے کی کفالت ان کے حقیقی چچا حضرت ابوطالبؓ کے سپرد کی۔ حضرت ابوطالبؓ اور ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت اسد آپ سے بہت محبّت کرتے تھے۔ انہیں اپنے بیٹوں سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے۔ حضرت ابوطالبؓ انہیں اپنے ساتھ سلاتے تھے اور جب تجارت کے لئے سفر پر جاتے تھے تو انہیں ساتھ لے جاتے تھے۔

بچپن سرکارِ رسالت محمد مصطفیٰ کبھی بچّوں میں بیٹھ کر نہیں کھیلے۔ اگر کوئی بچّہ کھیلنے کے لئے کہتا، تو فرماتے۔ ہم کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہیں۔ پھر ان کو نصیحت فرماتے۔ بچپن سے ہی آپ کے چہرہ سے بزرگی، اور متانت کے آثار نمایاں تھے۔

گھر کی دُنبیوں کی گلہ بانی دس برس کی عمر میں آپ نے سیرت انبیاء پر گھر کی دُنبیا چرانے کا کام اپنے ذمّہ لیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے یہی منظور تھا۔ کہ آپ کو فضائے قدرت کے مناظر مشاہدہ کرائے جائیں۔ تاکہ آپ صانع عالم کے عجائبات دنیا کے سامنے پیش کرسکیں۔ نیز اللہ یہ بتلانا چاہتا تھا، کہ بنی نوع انسان کی گلہ بانی ان کے سپرد ہونے والی ہے۔ حضورؐ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"تمام انبیاءؑ نے بکریاں اور دُنبیاں چرائی ہیں۔"

ایک دفعہ اصحابہ نے عرض کیا۔ "کیا آپ نے بھی یا رسولؐ اللہ؟"

فرمایا۔ میں میدانِ [1] قراریط میں دُنبیاں چرایا کرتا تھا۔ [2]

سرکارِ رسالت کی کاروباری زندگی

آپ کے چچا حضرت ابو طالبؓ بہت بڑے تاجر تھے۔ غیر ممالک میں ان کی تجارت تھی۔ حضرت ابو طالب تجارتی سفر میں سرکارِ رسالت کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے، تجارت کے لئے آپ نے شام اور یمن کے سفر کئے۔ حضورؐ نے بھی تجارتی کاروبار ہی شروع کیا۔ آپ کی دیانت کی وجہ سے اکثر عرب کے لوگ اپنا روپیہ تجارت کی غرض سے آپؐ کو دینے لگے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کو روپیہ سُپرد کرتے تھے، حضورؐ اُسے منافع کے ساتھ واپس فرماتے تھے۔ معاملہ کی صفائی کی وجہ سے آپ عرب بھر میں " صادق اور امین " کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ آپؐ نے شام، یمن اور عمان میں کئی کاروباری سفر کئے۔ نوجوانی میں ہی عربوں نے آپ کی سچائی اور دیانت کو تسلیم کر لیا تھا، یہاں تک کہ وہ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھنے لگے۔

معاہدۂ حلف الفضول

سرکارِ رسالت محمد مصطفٰےؐ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ ۵۸۶ء کے قریب قریش اور قبیلہ بنی قیس میں لڑائی شروع ہوئی، چونکہ یہ لڑائی ان مہینوں میں ہوئی تھی، جن میں جنگ و جدل منع تھی۔ اس لئے اس جنگ کو " حربِ فجار " کہتے ہیں۔ اس جنگ کے بعد ایک معاہدہ ہوا۔ جو تاریخ میں " حلف الفضول " کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ صاف اقرار کر رہی ہے۔ کہ اس قدر شریفانہ اصول پر عرب میں کوئی معاہدہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس معاہدہ کی تحریک بنی ہاشم کی طرف سے ہوئی تھی۔ حضرت عبدالمطلبؓ کے بعد بے آئینی زوروں سے شروع ہو گئی تھی۔ اجنبی لوگوں کی زندگی محفوظ نہیں تھی۔

بنی ہاشم کا حساس دل انسانی تکلیفوں اور زمانۂ جاہلیت کی بے باکانہ جرأتوں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے پردیسیوں اور اجنبیوں کی

[1] قراریط ایک صحرا کا نام ہے۔ [2] طبقات ابن سعد۔

حمایت اور حفاظت کا بیڑا اٹھا لیا۔ اس معاہدہ میں عہد کیا۔ کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے۔ اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک کہ اس کا حق ادا نہ ہو جاتے۔ اور ہم اسباب زندگی میں ایک دُوسرے کی مدد کریں گے۔ حضرت محمدؐ اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اور آپ ہمیشہ اس شرکت پر نازاں رہے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت محمدؐ مصطفٰے جب شام اور یمن میں جا کر کاروبار کرتے تھے تو جو لوگ تجارت میں حضور کے شریک ہوتے تھے، انہیں بہت نفع حاصل ہوتا تھا۔ مکّہ میں قبیلہ قریش میں ایک معزز دولتمند خاتون " خدیجہ " تھیں۔ جو پاکیزگی سیرت کی وجہ سے " طاہرہ " کے لقب سے مشہور تھیں۔ تجارت اور کاروبار کے لحاظ سے عرب کے تاجروں میں کوئی اُن کے برابر نہ تھا۔ عرب کے لوگ انہیں عرب تاجروں کی ملکہ کہتے تھے، جب اہلِ مکّہ کا قافلہ تجارت کے لئے روانہ ہوتا تھا۔ تو اکیلا حضرت خدیجہؓ کا مال تمام قریش کے مال کے برابر ہوتا تھا۔

حضرت ابو طالبؓ نے سرکارِ رسالتؐ سے مشورہ کے بعد حضرت خدیجہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت محمدؐ سے عرض کریں کہ آپ میرا سامانِ تجارت بھی لے جایا کریں۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر آپ ان کا مال لے کر شام گئے۔ جس سے ان کو بہت نفع ہُوا۔ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ حضرت خدیجہؓ حضورؐ کی دیانت اور نیکی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضورؐ نے قبول فرما لیا۔ حضرت ابو طالبؓ نے نکاح پڑھا۔ اس نکاح میں حضرت ابو طالبؓ نے جو خطبہ پڑھا۔ اس سے آپ کا موحد، خدا پرست اور مسلم ہونا ثابت ہے۔ اس نکاح کے وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر چالیس [1] سال تھی۔ یہ نکاح بہت ہی مبارک ثابت ہوا۔

۱۔ حضرت خدیجہؓ کی تمام دولت و ثروت اسلام کی نشر و اشاعت پر صرف ہوئی۔

۲۔ رسولؐ کی مالی مشکلات حضرت خدیجہؓ کے مال سے حل ہوگئیں۔

۳۔ اس نکاح سے سیّدہ طاہرہ فاطمۃ الزہراؑ پیدا ہوئیں۔ جن سے رسولؐ اللہ کی اولاد دُنیا میں پھیلی۔ گویا یہ نکاح بقائے نسلِ سرکار رسالتؐ کا باعث ہُوا۔

مولودِ کعبہ کی ولادت

۱۳۔ رجب ۳۰ عام الفیل یعنی ۶۰۰ء میں جبکہ رسولؐ اللہ کی عمر تیس۳۰ سال کی تھی، حضرت ابوطالبؑ کے ہاں امیرالمومنین حضرت علیؑ پیدا ہوتے۔ اس امر میں اسلامی روایات متفق ہیں، کہ جنابِ فاطمہؑ بنت اسد کے بطن سے حضرت علی علیہ السّلام کی ولادت وسط بیت اللہ (خانہ کعبہ) میں ہوئی۔[۱] یہ وہی علیؑ ہیں جن کے قوتِ بازو سے اسلام پھیلا پھُولا۔ سرکارِ رسالتؐ کے اس معجزۂ شجاعت کی پرورش اور تربیت حضورؐ ہی کے سایۂ رحمت میں ہُوئی۔ جس کا ذکر خود تربیّت پانے والے علیؑ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اے لوگو! قرابت اور مخصوص درجہ کے لحاظ سے جو نسبت مجھے رسولؐ اللہ سے ہے، تم جانتے ہو، رسُولؐ اللہ نے مجھے اس زمانہ میں اپنی آغوشِ رحمت میں لیا۔ جبکہ میں ابھی پیدا ہی ہُوا تھا۔ مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور مجھے اُپنے بستر میں سُلایا۔ میرا جسم ان کے جسم سے چھوتا تھا۔ اور میں ان کی خوشبو کو سُونگھتا تھا۔ اور حضورؐ کسی چیز کو چباتے تھے۔ پھر اسے مجھے کھلاتے تھے۔ میں ہر وقت آپ کے ساتھ اخلاقی خوبیوں کے رستے طے کرتا تھا۔ اور دن رات رسُولؐ اللہ کے بہترین اخلاق سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ میں اس طرح آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ جس طرح اونٹنی کا بچّہ اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چلتا

---

[۱] مستدرک امام مالک جلد ۳ صفحہ ۴۸۳۔ ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۰۔ وسیلۃ النجات صفحہ ۶۰ مطبوعہ لکھنؤ۔

ہے۔ آپ ہر روز میرے لئے اپنے اخلاق سے ایک علم بلند کرتے تھے اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے آپ ہر سال غارِ حرا میں گوشہ نشینی اختیار فرماتے تھے۔ میں آپ کو دیکھتا تھا۔ اور میرے سوا کوئی آپ کو نہیں دیکھتا تھا۔ اس زمانہ میں اسلام کے ایک گھر میں رسُولؐ اللہ اور خدیجہؓ کے سوا کوئی نہ تھا۔ اور میں ان کا تیسرا تھا۔ میں وحی و رسالت کے نور کو دیکھتا تھا، اور نبوّت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ میں نے نزولِ وحی کے وقت شیطان کی گریہ وزاری کو سُنا۔ میں نے عرض کیا۔ یہ کیسی گریہ وزاری ہے؟ فرمایا! یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت سے مایوس ہوگیا ہے۔ اے علیؑ! میں جو سُنتا ہوں وہی تو سُنتا ہے۔ جو میں دیکھتا ہوں۔ وہی تو دیکھتا ہے۔ لیکن یہ کہ تو نبی نہیں بلکہ تو وزیر ہے اور یقیناً تو خیر و نیکی پر ہے"۔[۱]

کعبہ کی تعمیرِ جدید اور رسُولِ امینؐ

۶۰۶ء میں جبکہ آنحضرتؐ کی عمر ۳۵ یا ۳۶ سال کی تھی۔ مکہ میں سیلاب آیا اور خانہ کعبہ کی دیواریں گر گئیں۔ قبائل عرب نے کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا مگر جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو جھگڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ بنیادی پتھر اسی کے ہاتھ سے نصب ہو، جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو قریب تھا کہ لڑائی کا ہنگامہ گرم ہو۔ تلواریں کھنچ چکی تھیں۔ خونریزی کے عہد ہو چکے تھے کہ قوم کے ایک بوڑھے نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ کل جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو۔ اسے فیصلہ کرنیوالا ثالث مان لیا جائے۔ اور جو وہ فیصلہ دے اسے قبول کر لیا جائے۔ دُوسرے روز جو سب سے پہلے داخل ہُوئے وُہ امنِ عالم کے علمبردار" الامین محمد مصطفےٰؐ" تھے، چنانچہ سب لوگ خوش ہوگئے،

---

[۱] نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۔ خطبہ القاصعہ خطبہ نمبر ۱۸۷۔ مطبوعہ مصر۔

کہ " الامین " جو بھی فیصلہ کرے گا ۔ مناسب و موزوں ہوگا ۔ آپ کے حسن و تدبر اور دیانت کو دیکھئے ۔ آپ نے اپنی چادر بچھا کر اس میں پتھر کو رکھا اور تمام قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کو کناروں سے پکڑ کر اٹھائیں ۔ جب یہ پتھر اس طرح اپنے مقام پر پہنچ گیا ۔ تو حضورؐ نے اسے اپنے ہاتھ میں اٹھا کر دیوارِ کعبہ میں نصب کر دیا اور اس طرح حضورؐ نے ساری قوم کو خونریزی میں الجھنے سے بچالیا ۔

رسولِ امینؐ کی چالیس سالہ زندگی

باوجودیکہ عرب کا ملک بدکاری ، فحاشی ، عیاشی ، قتل و غارت ۔ شراب خوری ۔ فسق و فجور اور بت پرستی کا مرکز تھا ۔ زنا ۔ بدکاری جوا اور بے حیائی عرب کی زندگی کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوتے تھی ۔ مگر حضورؐ ان تمام برائیوں سے بلند و برتر تھے ۔ اعلانِ نبوّت کے بعد رسول اللہؐ نے قرآن حکیم کے مطابق جن چیزوں سے منع کیا ۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضورؐ نے کبھی بھی ان چیزوں کو قبل نزولِ قرآن کیا ہو ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کو اپنے سینے میں لے کر دنیا میں آئے تھے اور چالیس سال آپ نے قرآنی احکام کی اپنے عمل اور کردار سے تبلیغ کی ۔ قبل اعلانِ نبوّت آپ کی سیرت آپ کی زندگی ، قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی عمل سے تفسیر کر رہی تھی ۔ آپ اپنی سیرت سے اعلان فرما رہے تھے ۔ میں بندۂ خدا ہوں ۔ مجھے کتاب دیدی گئی ہے اور نبی بنادیا گیا ہے ۔ نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ دودھ پیتا بچّہ ہو ، کون کہتا ہے کہ آپؐ کو چالیس سال تک علم نہ ہوا ۔ کہ آپؐ نبی اور رسول ہیں ۔ ہاں چالیس سال کی عمر میں آپ کو بذریعہ جبرئیل امینؑ وحی ہوئی کہ جو کتاب الٰہی آپ کے سینہ میں محفوظ ہے ۔ اسے بتدریج دُنیا کو پہنچا دیجئے ۔ چنانچہ آپ نے اعلانِ نبوّت فرمایا ، اور جن چیزوں کو عمل سے چالیس سال پیش کیا تھا ۔ اب زبان سے ان کی طرف دعوت دینے لگے ۔

پانچواں باب

بعثت ، اعلانِ نبوّت اور دعوتِ اسلام

سرکارِ رسالتؐ کی مکّی زندگی

سلہ نبوّت سے ۵ سنہ نبوّت تک

جب دُنیا میں کفر و شرک انتہا کو پہنچ گیا اور ظلم و جور ، فسق و فجور کے تاریک بادلوں نے ساری دُنیا کو تیرہ و تاریک بنادیا تو غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور سرکار ختمی مرتبت محمد مصطفٰے[1] کو بذریعہ وحی توحید الٰہی کی اشاعت اور پیغامِ امن پہنچانے کا حکم ہوا ۔ آپ نے اعلانِ نبوّت فرمایا ۔ اور دعوت اسلام دی ۔

سبقت اسلام

سب سے پہلے آپؐ کی شریکۂ حیات حضرت خدیجہؓ نے جو آپ کی دیانت و امانت ، راستی اور راست بازی حق گوئی اور حق پسندی کو سب سے زیادہ قریب سے دیکھنے والی تھیں ، آپ کی دعوت پر لبیک کہا ۔ اس کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی علی مرتضٰےؑ نے جنہوں نے دس برس تک آپ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی[1] ؂

مُسلم اوّل شہِ مرداں علیؑ عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

انگلستان کے شہرۂ آفاق مورخ ایڈورڈ گبن نے اس واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے ۔

---

[1] ا : حج المطالب بسمل امرتسری صہ ۳۹۲ ۔ تقریب التہذیب ابن حجر عسقلانی صہ ۸۴ ۔
روضۃ الاحباب جلد اول ۔ اعجاز التنزیل ... ۵۳ ۔ ...

ایک نوجوان نے ہیرو کی سی ہمّت و جرأت کے ساتھ آپ کے خیالات
کی صداقت کا اعتراف کیا۔ [1]

حضرت علیؓ کے بعد سرکارِ رسالتؐ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ نے
حضور کی دعوت پر لبیک کہا۔ [2]

پھر کہا جاتا ہے کہ اسی زمانے میں حضرت ابو بکر اسلام لائے۔ مگر طبری
کی ایک روایت میں ہے۔

محمد بن سعید ناقل ہیں، کہ میں نے اپنے باپ سے پُوچھا، کہ آپ
لوگوں میں حضرت ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے؟ انہوں نے
کہا نہیں۔ ان سے قبل پچاس آدمیوں سے زیادہ اسلام
لا چکے تھے۔ [3]

بہر کیف حضرت علیؓ اور زید بن حارثہ کے بعد مکّہ کے چند مشہور افراد حضرت ابوبکر
حضرت عثمان، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عمار یاسر وغیرہ نے بھی اسلام
کا رُخ کیا۔

دعوتِ ذوالعشیرہ

بعثت سے تین برس تک رسول اللہؐ مخفی طور پر
تبلیغ فرماتے رہے [4] لوگ ڈھکے چھپے مسلمان
ہوتے رہے، تین برس کے بعد آپ کو اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت
دینے کا حکم ہوا۔ یہ واقعہ دعوت ذوالعشیرہ کے نام سے مشہور ہے۔

آپ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا اور کھانا کھلانے کے بعد انہیں اس
طرح خطاب فرمایا۔

اے اولادِ عبدالمطلب! جس خدا نے تم کو افضل ترین نعمتیں عطا

---

[1] HISTORY OF DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE

[2] طبری صفحہ ۱۱۶۸ و سیرت ابن ہشام۔

[3] تاریخ طبری۔ [4] تاریخ طبری۔

کی ہیں۔ اس کے نام سے تم لوگوں کو میں اس دنیا کی برکتیں اور آئندہ
کی تمام خوشیاں بخشتا ہوں۔ پس تم میں سے کون میری تائید
کرکے میرا بھائی، میرا جانشین، میرا وزیر بننا پسند کرتا ہے یہ سُن کر
سب لوگ خاموش ہو گئے۔ بعض لوگ تعجّب کرتے اور تمسخر کرتے
تھے آخر حضرت علیؓ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبرؐ کے
حضور میں عرض کیا "حضور! میں حاضر ہوں" سرکارِ رسالتؐ نے
اپنے ہاتھ اس جوان کی گردن میں ڈال دیئے اور اسے اپنے
سینہ سے لگا کر بآواز بلند فرمایا کہ تم سب لوگ میرے بھائی میرے
وزیر میرے جانشین کو دیکھ لو۔ اور اس کی فرمانبرداری کرو۔
نوجوان علیؓ کی اس جرأت و مستعدی پر قریش نے ایک حقارت
آمیز قہقہہ لگا کر اس کم سن خلیفہ کے باپ ابوطالبؑ کو اپنے بیٹے
کے سامنے جھکنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے پر طنز کیا کہ لو ابوطالب اب تم بھی اپنے
بیٹے کی اطاعت کرنا۔ [1]

---

[1] واشنگٹن اردن کی مشہور کتاب SUCCESSORS OF MUHAMMAD

جان ڈیون پورٹ کی مشہور کتاب APOLOGY FOR MUHAMMAD AND HIS HOLY QURAN

گبن کی مشہور کتاب HISTORY OF DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE

اور اسلامی کتاب میں یہ واقعہ بالفاظ مختلف موجود ہے دیکھو تفسیر خازن، تفسیر سراج المنیر
تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن ابی حاتم .... کنز العمال۔ دلائل النبوۃ
حلیۃ الاولیا۔ ذخیرۃ المآل عجیلی۔ مختار ضیا۔ قدسی۔ تہذیب الآثار۔ تاریخ طبری۔ کتاب الاکتفا۔
تاریخ کامل بن اثیر۔ تاریخ ابو الفدا۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ مدارج النبوۃ
ازالۃ الخفاء۔ معارج النبوۃ۔

دعوتِ عامٔ قریش کی مخالفت اور حضرت ابوطالبؑ کی حمایت

اب رسولُ اللہ نے دعوت اسلام عام کردی۔ بُت پرست کلمۂ توحید پڑھنے لگے۔ انسانی ظلم وستم سے تنگ آئے ہوتے انسان مساوات کی دعوت پر لبیک کہنے لگے، توحید کا ڈنکا بجنے لگا۔ بت پرستی مٹنے لگی۔ سرمایہ داری کی برائیاں دُور ہونے لگیں۔ اسلام کی ترقی کو کفارِ قریش برداشت نہ کرسکے۔ ان مخالفت کرنے والوں میں چند مشاہیر قریش اور قریش کے چند خاص قبیلے آگے تھے۔

ابوجہل۔ جو قبیلہ قریش کا ایک ہٹ دھرم سردار تھا۔

ابولہب۔ رسولُ اللہ کا چچا۔

ابوسفیان۔ بنوامیہ کا سردار اور اس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ۔ سب سے زیادہ جس قبیلہ نے مخالفت کی وہ بنوامیّہ تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"آنحضرتؐ کی نبوّت کو خاندان بنی امیّہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔" [1]

بنواُمیّہ، بنوالمغیرہ، بنومخذوم۔ رسولُ اللہ کے سب سے زیادہ مخالف قبیلے بنوامیّہ، بنوالمغیرہ اور بنومخذوم تھے۔ بنی مخذوم کو بھی بنی ہاشم سے مخالفت تھی۔ ولید بن مغیرہ اس خاندان کا رئیس تھا۔ یہ خالد کا باپ اور ابوجہل کا چچا تھا۔ ان قبائل کے متعلق رسولُ اللہ نے خود فرمایا ہے۔

"ہم سے سب سے زیادہ بغض و عداوت رکھنے والی قوم بنواُمیّہ، بنو مغیرہ اور بنی مخذوم ہے۔" [2]

---

[1] سیرۃ النبی جلد اوّل ص۱۵۸۔

[2] نصائح کافیہ ص۱۰۶ ۔ تطہیر الجنان ابن حجر مکی ص۱۴۴۔

قریش کی شدید مخالفت میں حضرت ابوطالبؑ ہر طرح سے رسولُ اللہ کے مددگار اور معاون تھے، قریش کے مذموم ارادوں کی راہ میں حضرت ابوطالبؑ کا وقار، اثر و اقتدار رکاوٹ تھا۔ ابوطالبؑ رسولُ اللہ کے لئے سپر بنے ہُوئے تھے، کفارِ مکّہ کی پیش نہیں جاتی تھی۔ آخر وُہ ایک وفد کی صورت میں حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور کہنے لگے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وُہ ہمارے مذہب کی مذمت سے باز آجائے۔ حضرت ابوطالبؑ نے اس وفد کی معروضات کو خدمتِ رسالتؐ میں پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

"چچاجان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سُورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں۔ تو میں پھر بھی اپنے مقصد سے باز نہیں آؤں گا۔ یا تو یہ دین پھیلے گا۔ یا اس مقصد کے لئے میری جان جائے گی۔"

بھتیجے کے اس عزم واستقلال کو دیکھ کر حضرت ابوطالبؑ نے کہا۔

"بیٹا! تم اپنا کام کئے جاؤ۔ یہ لوگ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔"

کفار قریش کی پیشکش

کفارِ قریش نے سرکارِ رسالتؐ کو جدوجہد سے روکنے کے لئے ایک اور چال چلی۔ عتبہ کو جو کہ ایک باوقار سردار تھا۔ آپؐ کے پاس بھیجا، عتبہ نے حضورؐ سے عرض کیا۔

"اے محمدؐ! قوم میں پھُوٹ ڈلوانے سے کیا فائدہ۔ اگر آپؐ کا مقصد ہمارے مذہب کی مخالفت سے سرداری حاصل کرنا ہے تو ہم سب متفق ہوکر آپؐ کو سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر آپؐ کو کسی بڑے گھرانے کی خوبصورت عورت سے نکاح کرنا ہے۔ تو ہم اس کا انتظام کردیتے ہیں۔ اگر آپؐ دولت مند بننا چاہتے ہیں تو ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ مگر آپؐ ہمارے مذہب کی مخالفت ترک کر دیں۔"

رسول اللہ نے عتبہ کو خلافِ امید جواب دیا اور اسے قرآنِ حکیم کی چند آیات سنائیں۔ جن سے متاثر ہو کر عتبہ لوٹا اور کفارِ قریش کو مشورہ دیا کہ وہ حضورؐ کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیں مگر وہ ایسی بات کہاں مانتے تھے۔

کفارِ قریش کے مظالم

اس کے بعد کفارِ قریش نے مسلمانوں پر ایسے مظالم برپا کئے۔ جن کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت یاسر جو مکّہ کے ایک مفلس مسلمان تھے۔ ان مظالم کو برداشت کرتے کرتے دنیا سے چل بسے ان کی بیوی حضرت سمیہ کو ابو جہل نے برچھی مار کر شہید کر دیا۔ ان کے بیٹے عمّار اسی قسم کے مظالم کا تختۂ مشق تھے۔ حضرت جناب ابن الارث پر بھی انتہائی سختیاں کیں، ایک روز انہیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا۔ اور جب تک وہ ٹھنڈے نہ ہو گئے۔ انہیں نہ چھوڑا۔ حضرت بلالؓ حبشی مؤذن اور حضرت صہیب رومی کو عرب کی جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے تھے۔ اور ان کی چھاتی پر تپتے ہوتے پتھر رکھ دیتے تھے۔ اس پر ان کی زبان پر اَحد۔ اَحد کے کلمات جاری رہتے تھے۔ حضرت زنیرہ جو کہ ایک مسلمان کنیز تھیں۔ ابو جہل نے ان کی آنکھیں نکال دیں۔ ان سختیوں پر رسول اللہ ہمیشہ انہیں تسلّی دیتے تھے اور فرماتے تھے، کہ تم لوگ اللہ کی رحمت کے منتظر رہو۔

چھٹا باب

ہجرتِ حبشہ، معاشرتی بائیکاٹ، شعب ابی طالبؓ میں نظر بندی

حضرت ابوطالبؓ اور حضرت خدیجہؓ کی وفات، سفرِ طائف

۵ سالِ نبوّت سے ۱۰ سالِ نبوّت تک

پہلی ہجرت حبشہ

مسلمانوں پر انتہائی سختیاں ہو رہی تھیں۔ رسول اللہ کا دل انتہائی درد و غم کے جذبات لئے ہوئے تھا۔ اس لئے آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مشورہ دیا۔ کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ میں چلے جائیں۔ جہاں کا عیسائی بادشاہ نجاشی نہایت نیک دل اور روادار تھا۔ چنانچہ حضورؐ کے اس ارشاد پر مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں ۵ سال نبوّت رات کے وقت روانہ ہوا۔ اور شیبہ کی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر حبشہ پہنچا۔ یہ قافلہ حضرت عثمان کی سرپرستی میں روانہ ہوا —— اور تین مہینے حبشہ میں مقیم رہا۔ اس زمانہ میں انہیں غلط افواہ ملی، کہ اہلِ مکّہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ واپس آئے۔ مکّہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا۔ کہ یہ خبر غلط ہے یہ لوگ بڑی مشکل سے چھپ چھپا کر یا کسی کی پناہ لے کر مکّہ میں داخل ہوئے۔

دوسری ہجرت حبشہ

۵ سال نبوّت میں پہلی ہجرتِ حبشہ ہوئی۔ اور مسلمان حبشہ کے تین مہینے کے قیام میں اہلِ حبشہ کی رواداری اور حکومت حبشہ کی عدالت کا تجربہ کر چکے تھے

اس سرزمین پر انہیں آزادیِ مذہب بھی حاصل تھی۔ اور ہر طرح کی سہولتیں بھی مہیا تھیں۔ اس لئے ۵؁ سال نبوّت میں کفّارِ مکّہ کے ظلم وجور سے تنگ آتے ہوتے مسلمانوں کو رسولُ اللہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا پھر مشورہ دیا۔ اس دفعہ ہجرت کرنیوالوں میں ۸۳ مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں۔ یہ قافلہ حضرت جعفرؓ ابن ابی طالبؓ کی قیادت میں روانہ ہُوا۔ کفارِ قریش نے اس قافلہ کا تعاقب کیا۔ مگر کفّار کے پہنچنے سے پہلے یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہو چکے تھے۔ اس لئے کفار کے پنجے سے نکل کر محفوظ حبشہ میں پہنچ گئے۔ حبشہ میں انہیں امن ملا، آزادی نصیب ہوئی اور یہ اچھی فضا میں اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن مسلمان مہاجرین کے اس اطمینان کو کفارِ قریش برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحفے تحائف دے کر نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ اس وفد نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد اپنے معروضات پیش کئے اور کہا کہ مکّہ کے کچھ شریر لوگ مکّہ سے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ لے چکے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ انہیں ہمارے حوالے کر دیا جاتے۔ نجاشی نے کہا جب تک ہم دوسرے فریق کی بات نہ سُن لیں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے بھائی اور مہاجرین کے سالار حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ دربار میں بلاتے گئے۔ جب حضرت جعفرؓ مع جماعت مہاجرین حاضرِ دربار ہُوتے تو نجاشی نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کے اصول و عقائد کیا ہیں اور آپ کے ملک والے آپ کے خلاف کیوں ہیں؟ حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی۔

"اے بادشاہ! ہمارے ملک کے لوگ جاہل تھے، مردار کھاتے تھے اور بیہودہ بکا کرتے تھے۔ اِن میں انسانیت نہ تھی اور یہ سچی ہمدردی، مہمان داری اور ہمسایہ کے حقوق سے ناآشنا تھے، کسی قانون وقاعدہ

کے پابند نہیں تھے۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انتہائی فضل وکرم سے ہم میں ایک رسولؐ بھیجا۔ جس کی امانت و دیانت صدق وصفا، حسب ونسب، زہد وتقویٰ سے ہم اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی اور شرک اور بُت پرستی کی گمراہی سے نکالا۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، وعدہ وفا کرنے، گناہوں سے بچنے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ ہمارا قصور صرف یہی ہے کہ ہم اس خدا کے سچّے نبی پر ایمان لاتے ہیں۔ اس جُرم میں ہماری قوم ہم پر سختی اور تشدد کرنے پر تُل گئی ہے۔ ہماری قوم چاہتی ہے کہ ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت ترک کر کے پتھر مٹّی اور لکڑی کے بتوں کی پرستش شروع کر دیں۔ اُن کے جور وجفا سے بچنے کے لئے آپ کے مُلک میں پناہ لی ہے۔"

اس تقریر کا نجاشی پر بہت اثر ہُوا اور اس نے اس کلامِ خدا کے سُننے کی تمنا کا اظہار کیا۔ جو رسُولُ اللہ پر نازل ہوا تھا۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی۔ نجاشی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے رسُولُ اللہ کی صداقت کا اعتراف کیا اور کہا۔ "بیشک حضرت محمدؐ وہی رسولؐ ہیں جن کے تشریف لانے کی یسوع مسیحؑ نے خبر دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں ان کے زمانہ میں ہوں۔"

اس پر کفارِ مکّہ کو نہایت مایوسی سے واپس لوٹنا پڑا۔ مسلمان ایک عرصہ تک حبشہ میں آباد رہے اور نہایت امن واطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ۷؁ میں فتح خیبر کے دن یہ مہاجرین مدینہ واپس آتے۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

۶؁ سالِ نبوّت کے واقعات میں ایک عجیب واقعہ حضرت عمرؓ کے اسلام

لانے کا ہے۔ حضرت عمرؓ طبیعت کے بہت سخت تھے۔ شروع میں وہ اسلام کے شدید ترین دشمن تھے وہ نہایت غیض و غضب میں سرکارِ رسالتؐ کو قتل کرنے کے لئے نکلے تھے۔ ہاتھ میں تلوار کھینچی ہوئی تھی۔ جب سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں پہنچے۔ تو سرِ تسلیم خم کر لیا اور کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

معاشرتی بائیکاٹ، شعب ابی طالبؑ میں رسولؐ اللہ کی نظر بندی

۷؁ سالِ نبوت میں ہی مشرکینِ قریش کی سختی بڑھ گئی۔ قریش نے جمع ہو کر ایک معاہدہ لکھا۔ جس کی بناء پر بنو ہاشم سے ہر قسم کا میل جول چھوڑ دیا۔ یہ سوشل بائیکاٹ تین برس تک جاری رہا۔ ان دنوں میں حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی تمام دولت صرف ہو گئی۔ بنو ہاشم شعب ابی طالبؑ میں گھرے ہوتے تھے۔ اس نظر بندی کے زمانہ میں ضروریات زندگی بہم پہنچانا حضرت علیؑ مرتضیٰ کے سپرد تھا۔ جو مکّہ کے گرد و نواح کی آبادیوں میں دور تک نکل جاتے تھے۔ گیہوں اور کھجوریں جو کچھ میسّر آتا۔ اپنی پیٹھ پر رکھ کر لاتے تھے۔ شعب ابی طالبؑ کے دروازہ پر حضرت ابو طالبؑ پہرہ دیتے تھے۔ اس لئے اندر آنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابو طالبؑ کو سرکارِ رسالتؐ کی زندگی کی ہر وقت فکر تھی جس بستر پر رسولؐ اللہ سوتے تھے کچھ رات گئے انہیں اس پر جس پر علیؑ سوتے تھے لٹاتے تھے کچھ اور وقت گزرتا۔ تو بستر بدل دیتے تھے، جہاں جعفرؑ سوتے تھے وہاں رسولؐ اللہ کو سلاتے۔ پھر رات کے تیسرے پہر میں رسولؐ اللہ کے سونے کی جگہ بدلتے۔ حضرت عقیلؑ کی جگہ حضورؐ کو سلاتے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ میرے تینوں بیٹے قتل ہو جائیں پرواہ نہیں۔ مگر اللہ کا رسولؐ زندہ و سلامت رہے۔ مگر آخر میں حالت یہ ہو گئی، کہ بنی ہاشم کے بچّے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے۔ کہ ان کے رونے کی آوازیں گھاٹی کے پار شہر مکّہ تک پہنچتی تھیں۔ سنگ دل

قریش سُنتے تھے۔ اور ہنستے تھے۔ زندگی اکثر فاقوں میں گزرتی تھی یا درختوں کے پتوں وغیرہ پر گزارہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی خوراک پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔ تو کفار راہ میں چھین لیتے تھے۔

لیکن تعجّب ہے کہ اس وقت تک بہت سے مالدار حضرات مُسلمان ہو چکے تھے۔ پھر بھی کسی کی امداد کا تذکرہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ حالانکہ اس وقت سے بڑھ کر رسولؐ اللہ کی مالی امداد کا کون سا وقت تھا۔ [1]

بعثت کے دسویں سال یہ سوشل بائیکاٹ اس وقت ختم ہوا۔ جبکہ اس معاہدہ کو جو خانہ کعبہ میں لٹکا ہوا تھا۔ دیمک چاٹ گئی۔

غم کا سال

بعثت کے دسویں سال آپ کے شفیق اور نگہبان چچا کا انتقال ہوا۔ ابھی یہ صدمہ تازہ تھا کہ آپؐ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ طاہرہؑ وفات پا گئیں، حضرت ابو طالبؑ کا وقار رسولؐ اللہ کے لئے سپر تھا۔ پھر کیا تھا مُصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حضورؐ شفیق چچا کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے۔

چچاجان! آپ کے بعد جو مصیبت مجھ پر آنے والی تھی، کیسی جلد آپڑی [2]

چنانچہ ان دو صدموں کی وجہ سے یہ سال "عام الحزن" غم کا سال کہلاتا ہے۔

حضرت ابو طالبؑ کی وفات کا اثر

جب بنی اُمیّہ نے یہ دیکھا کہ حضرت ابو طالبؑ کا انتقال ہو گیا جن کا اثر قریش پر تھا اور اس سے وُہ ایک محدود جگہ پر رُکے ہُوتے تھے مگر اب انہوں

---

[1] حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کو اسلام کا وقار بڑھ جانے کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ واقعات اس کے برعکس ہیں۔ رسولؐ اللہ کے خاندان کا بائیکاٹ اسی سال ہوا۔ جس سال حضرت عمرؓ نے اسلام کا اعلان فرمایا تھا۔ اور اس زمانہ میں رسولؐ اللہ کے مصائب بڑھ گئے تھے۔

[2] طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲۔ سنی المطالب صفحہ ۲۸۔

نے میدان خالی پایا اور اسلام کے مکّہ سے استیصال کے درپے ہوگئے اور نئی طرح سے پھر ان کے حسد، دشمنی اور غصّہ کی آگ بھڑکی۔ چنانچہ وُہ اپنی نئی مخالفت پر آمادہ ہُوئے اور ہاشمیوں کو ستانے کی نئی نئی تدبیریں ہونے لگیں۔[1]

سفرِ طائف

اہلِ مکّہ کے مظالم جاری تھے رسول اللہؐ نے چاہا کہ تبلیغ کے لئے مکّہ سے باہر مواقع تلاش کئے جائیں چنانچہ آپ نے ارادہ کیا۔ کہ طائف میں تبلیغ کی جائے۔ طائف مکّہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک بارونق اور زرخیز بستی ہے آپ طائف میں تشریف لے گئے اور وہاں کے اکابر کو توحید و مساوات کا پیغام دیا۔ مگر انہوں نے توجہ نہ کی بلکہ آپ پر پتھر برسائے۔ جس سے آپؐ اس قدر زخمی ہُوئے کہ سر سے خون بہہ کر ایڑیوں تک پہنچ گیا۔ اور حضرت لہولہان ہوگئے۔ اس قدر اذیت پر بھی حضورؐ نے انہیں بد دُعا نہیں دی۔ معصومۂ کونین حضرت فاطمۃ زہرؑا کا بیان ہے کہ یہ حضورؐ کی زندگی میں سب سے زیادہ المناک دن تھا۔

ساتواں باب

ہجرتِ مدینہ ۶۲۲ء

اب سرکارِ رسالتؐ نے مکّہ کے باہر تبلیغی تقریریں شروع کیں، آپؐ عکاظ اور ذالمجاز کے میلوں میں تشریف لے جاتے اور خلقِ خدا کو الٰہی پیغام سُناتے تھے آپؐ کی ان تقریروں سے عرب کے باشندے اسلام کی تحریکِ امن سے واقف ہوگئے ان تقریروں کا بہترین موقعہ حج کے اجتماعات

[1] سیرت محمدؐیہ صہ ۲۱۹ موتفہ مرزا حیرتؔ دہلوی۔

تھے۔

اہلِ یثرب (مدینہ) میں تبلیغ

سنہ ۶۲۱ء میں یثرب کے اوس و خزرج کے قبیلوں کے چھ آدمی مکّہ آئے ہوئے تھے۔ مکّہ کے قریب پہاڑوں میں ایک مقام عقبہ تھا۔ وہاں ان کی رسول اللہؐ سے ملاقات ہُوئی۔ حضورؐ نے انہیں کچھ آیاتِ قرآن سُنائیں اور اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا۔ یہ چھ کے چھ سعادت مند مسلمان ہوگئے۔

بیعتِ عقبۂ اولیٰ

جب یثرب کے یہ چھ آدمی اپنے وطن پہنچے تو انہوں نے تعلیماتِ اسلام کا چرچا اپنے شہر میں کیا اسی سال حج کے موقعہ پر یثرب کے بارہ آدمی آئے اور وُہ عقبہ کے مقام پر خدمتِ سرکارِ رسالتؐ میں حاضر ہُوئے اور آپ سے تعلیماتِ اسلام کو سُن کر مسلمان ہوگئے انہوں نے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی، جو بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اِن لوگوں نے جو عہد رسول اللہؐ سے کیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے۔

"ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ نہ چوری کریں گے۔ نہ زنا اور نہ دختر کشی کریں گے نہ کسی پر تہمت لگائیں گے اور نہ غیبت کریں گے رسول اللہؐ کے ارشادات کی تعمیل کریں گے اور مُسرت و غم میں حضورؐ کے وفادار رہیں گے۔"

سرکارِ رسالتؐ نے مصعب بن عمیر کو ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وُہ مدینہ میں تبلیغ اسلام کریں۔ انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی اور ایک سال میں یثرب کے اکثر خاندانوں نے اسلام کو قبول کرلیا۔

بیعت عقبۂ ثانیہ

اگلے سال سنہ ۶۲۲ء میں یثرب سے ۷۵ مسلمانوں کا ایک قافلہ مکّہ میں آیا۔ یہ رات کی تاریکی میں عقبہ کے

مقام پر خدمت سرکارِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے اور حضورؐ کی بیعت کا شرف حاصل کیا اور حضورؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ اس وقت رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباس آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے دعوت دینے والوں سے فرمایا۔

"حضرت محمدؐ اپنے خاندان میں بہت معزز و ممتاز ہیں۔ اِن کے رشتہ داروں نے دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ ان کا ساتھ دیا ہے اگر تم بھی مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو، تو انہیں لے جاؤ۔ ورنہ اس ارادہ کو ترک کردو۔"

اس پر ایک یثربی سردار براء بن معرور نے کہا۔

"ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔"

وُہ اسی قدر کہہ سکے تھے کہ ان کی بات کاٹ کر دُوسرے سردار ابوالہثیم نے کہا ـــ "یارسول اللہؐ! ایسا نہ ہو، کہ اسلام کو قوت حاصل ہو اور آپ پھر یثرب سے مکّہ چلے آئیں۔"

اس پر سرکارِ رسالتؐ نے مسکرا کر فرمایا۔

"تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔"

ہجرت

جب مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور وہاں اسلام روز افزوں ترقی کرنے لگا۔ تو حضورؐ نے بحکمِ الٰہی مسلمانوں سے جو مشرکینِ مکّہ کے ظلم و ستم سے تنگ آگئے تھے۔ ارشاد فرمایا۔

"تم یثرب ہجرت کر کے چلے جاؤ۔" اس ارشاد پر مسلمان دو۔ دو تین تین کر کے یثرب چلے گئے۔

دارالندوہ اور حضورؐ کی روانگی

جب قریش مکّہ نے دیکھا کہ یثرب میں اسلام کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور اللہ کا دین روز افزوں ترقی کر رہا ہے تو انہوں نے دارالندوہ (کونسل ہال) میں بزم مشاورت قائم کی، جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ، ابوسفیان ابوجہل، امیہ بن خلف ابوالبختری وغیرہ وغیرہ جمع ہوتے ایک بڈھا نجدی بھی

اس مجمع میں موجود تھا۔ محمد مصطفٰےؐ ارواحنالہ الفدا کے قتل یا قید کی تجویزیں پیش ہونے لگیں آخر ابوجہل کی تجویز اُور اس نجدی شیطان کی تائید پر یہ قرار پایا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص چنا جاتے اُور پھر یہ تمام اشخاص ایک ساتھ مل کر تلواروں کے ساتھ حملہ کریں۔ اور سرکارِ رسالتؐ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اس صُورت میں بنی ہاشم بدلہ لینے کے لئے اٹھیں تو انہیں تمام عرب سے لڑنا پڑے گا اور وُہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اُور خوں بہا کی صُورت میں بار کسی ایک قبیلہ پر نہیں پڑے گا۔ اس تجویز پر انہوں نے سُورج غروب ہوتے ہی خانۂ رسالتؐ کا محاصرہ کرلیا۔ اللہ نے اپنے حبیبؐ کو کافروں کی اس سازش سے مطلع فرمایا اور حکم دیا کہ تم اپنے فدائی اور جاں نثار بھائی علیؑ مرتضٰے کو اپنی چادر اوڑھا کر اپنے بستر پر سُلا دو۔ اور خود یثرب کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اس فرمانِ الٰہی کے مطابق رسول اللہؐ نے علیؑ مرتضٰی سے فرمایا مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ پس آج تم میرے بستر پر لیٹو۔ تاکہ دشمنوں کو یہ گمان رہے کہ مَیں اپنے بستر پر پڑا ہوں۔ اُور پھر صبح کو ان کافروں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں۔ ان کو واپس دے کر تم یہاں سے چل پڑنا۔ اور ہم سے آملنا۔[1]

سرکارِ رسالتؐ حضرت علیؑ کو بستر پر لٹا کر خود سورۃ یٰسین پڑھتے نہایت اطمینان سے ان کافروں کے بیچ میں سے اس طرح نکل گئے کہ کسی نے بھی نہ دیکھا۔

شبِ ہجرت علی مرتضٰیؑ کا بسترِ رسالتؐ پر سونا

اللہ کا دلی، رسول اللہؐ کا جاں نثار علیؑ بے خوف بسترِ رسولؐ پر سویا۔ اللہ نے اس واقعہ کی تصویر کشی ان الفاظ میں

۱؎ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۹-۵۰، تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۶، ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۵ -

کی ہے۔ ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله ۔ [۱]
"انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کی رضا میں اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں" جبرئیل و میکائیل پائنتی سرہانے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ اے ابوطالبؑ کے بیٹے اللہ تمہاری اس جاں نثاری سے فرشتوں پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"رسول اللہؐ سے قریش کو حد درجہ عداوت تھی۔ تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں آپؐ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا۔ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ کو روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔
یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا، کہ قریش آپؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہؐ کا بستر خواب قتل گاہ کی سرزمین ہے، لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا" [۲]

---

[۱] سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۰۷۔

[۲] احیاء العلوم غزالی ارجح المطالب ص۵۰۔ حلیۃ الاولیاء تفسیر کبیر جلد ۲ ص۲۸۳ درمنثور سیوطی اسد الغابہ۔ تاریخ احمدی ص۲۵۔ تاریخ خمیس جلد ۳ ص۲۸۳۔ مدراج النبوۃ جلد ۲ ص۲۷۔ وسیلۃ النجاۃ ص۸۶۔ معارج النبوۃ رکن چہارم ص۳۔ تذکرہ خواص الامہ ص۲۹ فصول المہمہ ص۳۳۔ نور الابصار ص۱۲۸۔ ۱۲۹۔ [۲] سیرۃ النبی ص۱۹۷۔

یہ ظاہر ہے کہ امانتوں کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ تھا۔ صرف اشارہ کیا۔ علیؑ جانتے تھے کہ کس کس کی امانت ہے اور کس کس قدر ہے اس سے معلوم ہوا کہ علیؑ رسول اللہؐ کے راز دار تھے۔ معاملات میں شریک تھے اور نائب کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

اس واقعہ کو عیسائی مورخ گبن اس طرح لکھتا ہے۔

"اگرچہ قاتل دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے، مگر وہ دھوکے میں آ کر علیؑ کو محمدؐ سمجھے، جو رسولؐ کے بستر پر اسی کی سبز چادر اوڑھے سو رہا تھا"۔ [۱]

حضرت علیؑ نہایت اطمینان سے بستر رسالت پر لیٹے ہوتے تھے، آپ نے اپنے کچھ اشعار میں جو خود انشاء فرماتے تھے۔ اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

۱۔ "میں نے اپنی جان کے عوض اس عالی مرتبہ شخص کو بچایا۔ جو پاؤں سے کنکریوں کو روندنے والے اور خدا کے پرانے گھر اور حجر اسود کا طواف کرنے والوں میں سب سے افضل ہیں"۔

۲۔ "خدا کے رسولؐ کو اندیشہ ہوا۔ کہ دشمن اس کو ستائیں گے۔ پس خدا نے جو بڑی قدرت والا ہے۔ اپنے پیغمبرؐ کو ان کے شر سے بچا لیا"۔

۳۔ "پس رسول اللہؐ نے غار میں امن سے وہ رات گزاری۔ دشمنوں سے بچے رہے۔ اور خدا کی حفاظت اور اس کے حجاب قدرت میں امن و امان حاصل کی"۔

۴۔ "تین دن وہاں ٹھہرے، پھر ناقوں کو مہاریں دی گئیں۔ جو ایسے تیز رفتار اور سبک رو تھے۔ کہ ہر طرف پتھروں اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے"۔

۵۔ "اور میں نے دشمنوں کے حملہ کے انتظار میں رات کاٹی۔ مگر وہ مجھے زخمی

---

[۱] تاریخ زوال سلطنت روم۔

وگرفتار نہ کرسکے۔ کیونکہ بلاشبہ قتل و قید سے نہ ڈرنا میری جبلی عادت ہے"۔

۶۔ "یہ میں نے ہر چیز سے قطع نظر کر کے محض دین خدا کی امداد کی نیت سے ایسا کیا ہے اور آئندہ بھی یہی ٹھان لی ہے کہ جب تک قبر میں تکیہ لگا کر نہ لیٹوں"۔ ؎۱

جناب امیر علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اس موقعہ پر عہد کیا تھا کہ وہ زندگی بھر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دینِ خدا کی اسی طرح مدد کرتے رہیں گے دنیا جانتی ہے کہ حضرت علیؑ نے اس عہد کو اس شان سے نبھایا کہ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت ابو بکر کی واقعۂ ہجرت میں شمولیت

جب حضرت علیؑ اس طرح بسترِ رسالتؐ پر سو رہے تھے۔ تو حضرت ابو بکر علیؑ کے پاس آئے اور سرکارِ رسالتؐ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا رسولؐ اللہ تو غارِ ثور میں تشریف لے گئے ہیں اور اگر تمہیں ضرورت ہے تو ان سے جا ملو۔ پس ابو بکر تیز روی سے روانہ ہوئے اور رسولؐ اللہ سے راستہ میں مل گئے رسولؐ اللہ نے اندھیری رات میں ابو بکر کے پاؤں کی آہٹ سُن کر خیال فرمایا کہ مشرکین میں سے کوئی پیچھے آتا ہے۔ اس پر رسولؐ اللہ نے اپنی رفتار کو تیز فرمایا۔ جلدی جلدی چلنے سے آپؐ کی نعل مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ پائے مُبارک کا انگوٹھا پتھر کیساتھ لگ کر زخمی ہو گیا۔ خون بہت جاری ہوا۔ آنحضرتؐ نے رفتار میں اور جلدی فرمائی۔ ابو بکر کو خوف ہُوا کہ رسولؐ اللہ پر شاق ہوگا۔ اپنی آواز بلند کی اور کلام کیا۔ پس

؎۱ تاریخ خمیس جلد ۱ صـ ۳۶۷، مدارج النبوۃ صـ ۴۲، معارج النبوۃ رکن ۴ صـ ۳۳، نور الابصار صـ ۱۲۸، ۱۲۹۔ فصول المہمہ صـ ۳۴ تذکرہ خواص الامہ، روضۃ الاحباب مواہب لدنیہ۔ ناسخ التواریخ۔

رسولؐ اللہ نے پہچانا اور ٹھہر گئے۔ پس ابو بکر آملے اور دونوں چل پڑے اور رسولؐ اللہ کے پائے اقدس سے خون جاری تھا۔ صبح تک غار میں پہنچے۔ اور غار میں داخل ہوئے۔ ؎۱

مسٹر گبن لکھتے ہیں:۔

غارِ ثور کا واقعہ

قریش کے لوگوں نے (حضرت) محمدؐ کی تلاش میں مکّہ کی تمام جگہیں چھان ڈالیں اور اس غار پر پہنچے۔ جس میں وہ خود اور ان کا ساتھی چھُپے ہوُئے تھے۔ مگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکڑی کے جالے اور کبوتر کے گھونسلے نے جو خدا نے کافروں کی نگاہ سے بچانے کے لئے پیدا کر دیا تھا۔ ان کو یہ یقین دلایا کہ اس جگہ کوئی نہیں ہے اور نہ وہاں کوئی آیا ہے۔ ابو بکر نے خوف سے کانپ کر کہا۔ ہم تو صرف دو ہی ہیں۔ مگر (حضرت) محمدؐ نے کہا نہیں ہمارے ساتھ ایک تیسرا بھی ہے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ ہے۔ ؎۲

قرآن حکیم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

فقد نصرہُ اللہ اذ اخرجہُ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ (التوبہ۔ ۴۰)

"خدا نے اپنے رسولؐ کی مدد کی۔ جب کافروں نے اس کو نکال دیا۔ اور جب غار میں تھے۔ تو دو میں کے دُوسرے تھے پس وُہ اپنے ساتھی سے کہتے تھے۔ غم نہ کرو بیشک خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پس خدا نے اپنا سکینہ اس پر یعنی پیغمبر پر نازل کیا"۔

؎۱ تاریخ طبری جلد ۲ صـ ۴۴۴ واقعہ ہجرت، تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صـ ۲۴۰ (سورۃ توبہ)۔

؎۲ تاریخ زوال سلطنت رُوم۔

آنحضرتؐ اور ابوبکر تین دن تک غار میں مقیم رہے اِن ایام میں عامر بن فہرہ کھانا لے کر آیا کرتا تھا۔ اور علیؑ سامانِ سفر کا انتظام فرماتے تھے، پس حضرت علیؑ نے بحرین کے اونٹوں میں سے تین اونٹ خرید فرمائے اور ان کے لئے ایک دلیل یعنی رہبر اجرت پر مقرر کیا۔ جبکہ تیسری رات کا کچھ حصّہ گزر گیا۔ تو علیؑ اونٹ لے کر آتے پس آنحضرت اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور ابوبکر اپنے پر اور مدینہ کی طرف روانہ ہو پڑے۔ [۱]

حضرت ابوبکر کے اُونٹ

بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ جن اونٹوں پر رسولؐ اللہ سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وُہ ابوبکر کے اونٹ تھے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

"حضرت ابوبکر کے دو اونٹ تھے۔ جن کو انہوں نے چار سو درہم میں یا ایک روایت کی رُو سے آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔ اور چار مہینے تک چارہ وغیرہ کھلا کر خوب تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس موقع پر دونوں کو رسولؐ اللہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں انہیں قیمت دے کر قبول کر سکتا ہوں۔ پس نو سو درہم میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر سے ایک ناقہ خرید لیا۔" [۲]

اس خرید و فروخت کا ذکر کر کے شاہ عبدالحق محدّث دہلوی نے اس کی حکمت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جناب رسولِؐ خدا نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں کسی شخص کی امداد و اعانت کو قبول فرمائیں۔

پس ایک ناقہ پر رسولِؐ خدا اور ایک ناقہ پر حضرت ابوبکر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

---

[۱] تفسیر در منثور جلد ۳ صـ۲۴۰ (سورۂ توبہ)۔
[۲] مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۷۴۔

شبِ ہجرت کفّار اور علیؑ

اس طرف مکّہ میں جب قریش کی آنکھ کھلی۔ تو فرشِ رسولؐ پر بجائے رسولؐ کے نفسِ رسول علیؑ مرتضٰی کو دیکھا۔ حیران ہو کر پُوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ فرمایا۔ کیا تم نے میرے سپُرد کیا تھا۔ جو پوچھتے ہو؟ یہ سُن کر ان بدبختوں نے حضرت علیؑ کو اذیّت دی اور حرم کعبہ میں کچھ عرصہ قید رکھ کر چھوڑ دیا۔ [۱]

علیؑ کا ادائے امانات کے بعد سفر

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ تین شب و روز دشمنوں کے درمیان نہایت دلیری سے ٹھہرے رہے۔ اَور حکم رسالتؐ کے مطابق امانتوں کو واپس کیا۔ جون کے مہینے کی شدید گرمی میں اپنے خاندان کی عورتوں کو ہمراہ لے کر پتھریلے اور سنگلاخ راستوں کو طے فرما کر تکلیفیں جھیلتے، سُوجے ہوتے پاؤں سے جن میں چھالے پڑے ہوتے تھے۔ خدمت سرکار رسالتؐ میں حاضر ہُوتے علیؑ کی یہ حالت دیکھ کر رسولؐ اللہ کا دل بھر آیا، گلے سے لپٹا لیا۔ چھالوں پر لعاب دہن لگایا۔ جس سے حضرت علیؑ کو شفا ہُوئی۔ [۲]

قبا میں قیام

رسولؐ اللہ غارِ ثور سے روانہ ہو کر قبا میں چودہ روز ٹھہرے اور یہاں لوگوں کی استدعا پر مسجد تعمیر فرمائی۔ اسی مقام پر حضرت علیؑ خدمتِ رسالتؐ میں حاضر ہُوئے۔ قبا میں مدینہ کے لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آتے تھے۔ دھوپ سے بچنے کے لئے ان لوگوں کے واسطے چادریں تان دی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر بھی چادر تان کر کھڑے ہو جاتے تھے۔

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۴۵ تاریخ کامل جلد ۲ صـ۴۹۔
[۲] تاریخ کامل جلد ۲ صـ۱۵۱۔ تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۳۸۱۔ مدارج النبوۃ صـ۸۱ معارج النبوۃ صـ۱۷۔ ابن خلدون صـ۱۶۔

مدینہ طیبہ میں سرکارِ رسالتؐ کا ورودِ مسعود

جب سرکارِ رسالتؐ قبا سے مدینہ کی طرف روانہ ہوتے۔ تو قبا سے مدینہ تک دو رویہ لوگ کھڑے تھے۔ اہلِ مدینہ کے جوش و خروش اور مسرت و انبساط کا عجیب عالم تھا۔ تکبیر کے نعرے بلند تھے۔ ہر فرد مکہ کے جلاوطن نبی کی راہ میں آنکھیں بچھا رہا تھا۔ مسلمانوں کی لڑکیاں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"چودھویں رات کا چاند ہم پر طلوع ہوا۔ وداع کی گھاٹیوں کی طرف سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں۔ اللہ کے رسولؐ! تیرے حکم کی اطاعت فرض ہے"

رسولُ اللہ اپنے ان عقیدت مند جاں نثاروں کے جوشِ محبت کو دیکھ کر خوش تھے اور اللہ کا شکر ادا فرما رہے تھے۔

ابو ایوبؓ انصاری اور ان کی اولاد کا ابدی شرف

مدینہ کا ہر شخص چاہتا تھا۔ کہ رسولُ اللہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے اسی کے گھر کو شرف بخشیں حضورؐ نے شہر میں داخل ہو کر اپنی اونٹنی کی مہار چھوڑ دی۔ اور فرمایا کہ جہاں یہ اللہ کے حکم سے ٹھہرے گی، ہم وہیں قیام کریں گے۔ آخر اونٹنی ابو ایوبؓ کے مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ چنانچہ رسولُ اللہ کے قیام کی سعادت ابو ایوبؓ کے حصّہ میں آئی۔ یہ وُہ ابدی شرف تھا۔ جس پر ابو ایوبؓ اور ان کی اولاد ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ حضرت ابو ایوبؓ قبیلہ بنی نجار کے ایک فرد تھے اور اس خاندان کو رسولُ اللہ کے ننھیال ہونے کا شرف حاصل تھا۔ رسولُ اللہ کے پر دادا حضرت ہاشم کی زوجہ محترمہ اور حضرت کے دادا عبدالمطلبؑ کی والدہ معظمہ بی بی سلمیٰ اسی قبیلہ سے تھیں۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء مطابق
ربیع الاول ۱ھ بروز جمعرات شہر مدینہ میں داخل ہوئے تھے[1]

تعمیرِ مسجدِ نبویؐ

مدینہ میں کچھ قیام فرمانے کے بعد رسولُ اللہ نے ... تعمیر فرمائی۔ جو کچی اینٹوں کی تھی۔ اور اس پر کھ... کے پتوں اور گھاس پھونس کی چھت تھی۔ اس کی تعمیر میں رسولُ اللہ نے بنفس نفیس حصّہ لیا۔ اس کے ارد گرد کچھ کچّے حجرے بنائے گئے۔ ... میں خود حضورؐ نے اور حضور کے خاندان اور بعض مہاجرین نے سکو... اختیار کی۔

اصحابِ صُفّہ

مسجد کے بالکل قریب حضورؐ نے ایک صفہ (چبوترہ) ... جس پر گھاس پھونس کی چھت ڈال دی۔ اس چبو... پر نادار و مفلس مسلمان پڑے رہتے تھے۔ اور اہلِ صفہ یا اصحابِ صُفّہ کہلاتے تھے سرکارِ رسالتؐ ان کی ضروریات کے کفیل تھے۔ آپؐ ان ... کھانے اور کپڑے کی خبر گیری فرماتے اور اکثر اوقات ان کے ساتھ بد... کر کھانا کھاتے تھے۔

عقدِ مواخات

رسولُ اللہ کے تدبر اور دُور اندیشی نے خانہ بر... مہاجروں کو انصار کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منس... کیا۔ اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا۔ حضرت سلما... کو ابو دردا کا۔ حضرت ابوذر منذر بن عمر کا۔ حضرت عمار یاسر کو حذیفہ یمانی کا۔ مصعب بن ع... کو ابو ایوب انصاری کا۔ زبیر بن عوام کو سلامہ بن دقش کا۔ ابو عبیدہ جراح کو سعد بن م... کا۔ حضرت عثمان کو اوس بن ثابت کا۔ حضرت عمر کو عتبان بن مالک کا اور حضرت ابو بکر کو خا... بن زید انصاری کا۔ مگر اپنی ذات اور حضرت علیؑ کو کسی انصاری کا بھائی نہیں بنایا۔ بلکہ حضرت...

---

[1] سیرت ابن ہشام ص۱۷۹ تاریخ ابو الفدا ص۱۳۴ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۹۱ ۔ معار...
النبوۃ ص۳۲ ۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص۲۹۸ وغیرہ

علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ علیؓ میرے بھائی ہیں۔

مہاجرین و انصار

جو لوگ ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تھے۔ انہیں مہاجرین کہتے ہیں۔ اور مدینہ کے جن لوگوں نے حضورؐ کی مدد کی سعادت حاصل کی۔ وُہ انصار کہلاتے ہیں جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر آتے تھے۔ حضورؐ نے ان میں سے ایک ایک کو ایک ایک انصاری کے حوالے کردیا یہ انصار مہاجرین سے بھائیوں سے بڑھ کر سلوک کرتے تھے، گھر میں رہنے کو جگہ دی۔ اپنے گھر کا آدھا سامان دیا۔ اپنی کھیتی باڑی کو بانٹ کر آدھا ان کے سپرد کردیا۔ انصار میں سے جو کاروبار کرتے تھے، انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے کاروبار اور تجارت میں برابر کا شریک بنالیا۔

مدینہ کے مختلف گروہ

۱۔ اوس و خزرج کے قبائل جو پہلے مشرک تھے مسلمان ہوگئے۔ رسول اللہ کی تشریف آوری سے پہلے یہ برسرِ پیکار تھے۔ اب رسول اللہؐ کی بدولت اخوتِ اسلامی سے بہرہ ور ہوتے۔ اوس و خزرج زراعت پیشہ تھے۔

۲۔ یہودی ۔ یہود کے تین قبیلے بنو نضیر۔ بنو قینقاع، بنو قریظہ مدینہ میں آباد تھے۔ ان کے محلوں کو قلعے کہتے تھے۔ وُہ سود خوری اور تجارت کی وجہ سے بہت مالدار تھے، شروع میں انہوں نے رسول اللہ کی تشریف آوری کو بُرا نہ سمجھا۔ مگر جب دیکھا کہ حضورؐ حضرت عیسٰیؑ کو اللہ کا سچا نبی کہتے ہیں۔ اور ان کی تعریف کرتے ہیں تو مسیح علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ سے حضورؐ کے مخالف ہوگئے۔

۳۔ عیسائی ۔ تعداد میں تھوڑے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا۔ کہ رسول اللہ توحید کے علمبردار ہیں۔ تثلیث، رہبانیت اور پوپ کے الوہی اقتدار کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو آپ سے برگشتہ ہو گئے۔

۴۔ منافقین ۔ ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ جسے اہلِ مدینہ رسول اللہ کی تشریف آوری سے پہلے حکمران بنانے کی تیاریاں کررہے تھے۔ مگر اسلام کی وجہ سے وُہ حکمران بننے میں ناکام رہا۔ منافقین بظاہر مسلمان تھے۔ مگر اندرونی طور پر رسول اللہ سے کینہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ان سے حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان کے قصوروں سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ تاکہ یہ صدق دل سے مسلمان ہوجائیں۔

دستور و آئین مدینہ

اہلِ مدینہ نے سرکارِ رسالتؐ کو اپنے شہر کا حاکم اعلیٰ تسلیم کرلیا۔ حضورؐ نے اہلِ مدینہ کے لئے دستورِ حکومت مرتب فرمایا۔ یہ دستور اس طرح پر تھا۔

۱۔ تمام تنازعات کا فیصلہ اللہ کا رسولؐ کرے گا۔

۲۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے مملکت میں یکساں حقوق ہوں گے۔

۳۔ دونوں فریق اپنے اپنے دین پر قائم رہیں گے اور ایک دُوسرے سے تعرض نہیں کریں گے۔

۴۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر اس کا دفاع کریں گے۔

۵۔ جب کسی بیرونی طاقت سے صلح یا معاہدہ کریں گے۔ تو دونوں فریق اکٹھے کریں گے۔

۶۔ فریقین مدینہ کے اندر خونریزی نہیں کریں گے۔

۷۔ حالتِ جنگ میں فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

یہ دستور میثاق مدینہ بھی کہلاتا ہے۔ مگر یہودیوں نے اس معاہدہ کو توڑ کر اپنی تباہی کا خود سامان کرلیا۔

آٹھواں باب

غزوات

غزوۂ بدر رمضان المبارک ۲ھ (مارچ ۶۲۴ء)

دفاعی لڑائیاں اور ان کے اسباب

ایسی دفاعی لڑائیاں جن میں رسولؐ اللہ نے بنفسِ نفیس حصّہ لیا ہے۔ "غزوات" کہلاتی ہیں۔ یہ لڑائیاں رسولؐ اللہ نے اسلام کو دشمنوں سے بچانے کے لئے لڑی تھیں۔ اس موقعہ پر بنی امیہ اور دُوسرے معاندین کفّار کو اندیشہ ہوا کہ اگر لوگوں نے دین اسلام قبول کرلیا تو ان کے دھرم "بُت پرستی" کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور جابر قبیلوں کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گا۔ حضورؐ کی تعلیم براہ راست کسی خاندان کی بلندی اور کسی خاندان کی پستی کی حمایت نہیں کرتی۔ آپ کی تعلیم میں بلندی اور عزّت کا معیار صرف کردار کی خوبی اور فرائض انسانی کی بجا آوری ہے اور اس معیار پر بنی امیّہ اور عرب کے دُوسرے قبیلے پُورے نہیں اترتے تھے۔ اس طرح ان کے سیاسی اقتدار کو صدمہ پہنچتا تھا۔ نیز بنوامیّہ کو جب یہ معلوم ہُوا کہ سرکار رسالتؐ اب مدینہ میں محفوظ ہیں اور مسلمان بھی امن و راحت کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو ان کے حسد، دشمنی اور عداوت کی کوئی انتہا نہ رہی اور یہ سمجھنے لگے کہ اب اسلام کا بول بالا ہوگا۔ ان کا دین بُت پرستی مٹ جائے گا۔ اور بنو ہاشم کو فروغ ہوگا۔ تو انہوں نے عرب کے

بُت پرستوں کو مذہب کے نام پر اُبھارا۔ اور اپنے گرد جمع کیا اور اپنی اکثریت سے مدینہ کے لوگوں کو ڈرایا۔ کہ اگر وُہ مسلمانوں کو اپنی پناہ میں لئے رہیں گے۔ تو ان کو سزا دی جائے گی۔ جب ان کے ڈرانے دھمکانے کا اہلِ مدینہ پر اثر نہ ہوا تو پھر انہوں نے مدینہ پر حملے شروع کر دیئے۔

غزوۂ بدر

سب سے پہلی مستقل لڑائی جو مشرکینِ مکّہ اور سرکار رسالتؐ کے درمیان ہوئی وُہ غزوۂ بدر ہے۔ بدر، مدینہ سے اَسّی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا۔ یہ لڑائی ۱۷۔ رمضان المبارک ۲ھ (۱۳، مارچ ۶۲۴ء) بروز جمعہ ہُوئی۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ حملہ کرنیوالے ہیں اور یہ بھی سُنا گیا کہ ابو جہل کی قیادت میں ایک ہزار مسلّح فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئی ہے۔ ان کے پاس سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے ہیں۔ اکثر سپاہی زرّہ پوش ہیں۔ اُن کے پاس نیزے، ڈھالیں اور تلواریں ہیں۔ اور ابو سفیان تیس سواروں کے ساتھ اور ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ اسبابِ تجارت لا رہا ہے۔ اس طرح مسلمان دونوں طرف سے گھر جائیں گے۔ رسولؐ اللہ یہ خبر سُن کر جو فوج لے کر ان کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ ان کے پاس کل ۲، گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے۔ اور چند تلواریں تھیں۔ عقاب نامی علم نفسِ رسول علیؑ مرتضیٰ کے شانوں پر لہرا رہا تھا۔ انصار کے علم بردار سعدؓ بن عبادہ تھے۔[۵]

سرکار رسالتؐ نے میدانِ جنگ میں آ کر سجدہ میں سر رکھ دیا۔ اور درگاہِ سرکارِ احدیت میں اس طرح دُعا مانگی۔

سرکار رسالتؐ کی دُعا

میرے اللہ! اگر موحدین کی یہ مٹھی بھر جماعت تباہ ہوگئی تو روئے زمین پر تیرا نام بلند کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

---

[۵] تاریخ طبری جلد ۲ صـ ۲۷۲، تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۵۲۔

لڑائی شروع ہوئی۔ صفِ کفّار سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں آئے اس طرف سے ان کے مقابلہ میں تین ہاشمی نوجوان علیؑ، حمزہؓ اور عبیدہ بن الحارث مقابلہ میں نکلے۔ ولید کے مقابلہ میں علیؑ، شیبہ کے مقابلہ میں حمزہؓ اور عتبہ کے مقابلہ میں ابوعبیدہؓ بن الحارث تھے۔ ہاشمی تلواروں کے پہلے ہی حملہ میں ولید اور شیبہ خاک پر تڑپتے نظر آئے۔ اور ختم ہوگئے۔ عبیدہ اور عتبہ میں تلوار چلی۔ عبیدہ زخمی ہوکر گرے۔ اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالبؑ ولید کو قتل کر چکے تھے، فوراً عتبہ کے سر پر پہنچے اور ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کردیا۔ ابوسفیان کے تین قریبی رشتہ دار قتل ہوگئے۔ ایک حمزہؓ کے ہاتھ سے، دو علیؑ کے ہاتھ سے حضرت علیؑ حضرت عبیدہ کو اٹھا کر خدمتِ رسالتؐ میں لائے۔ عبیدہؓ زخموں سے چُور تھے۔ خدمتِ سرکارِ رسالتؐ میں عرض کیا " کیا میں درجۂ شہادت سے محروم رہا؟" فرمایا نہیں! "تم نے درجۂ شہادت کو حاصل کرلیا"۔

اس کے بعد لڑائی تیز ہوگئی۔ نصرتِ الٰہی شاملِ حال تھی۔ ابوجہل بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ کفّار کو شکست ہوئی۔ ابوسفیان کو بھاگنا پڑا۔ اور مسلمان مظفر و منصور مدینہ میں آئے۔

غزوہ بدر کے ہیرو

اس لڑائی میں ستر نامور کافر مارے گئے۔ جن میں سے ۳۵ صرف حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے قتل کئے اور باقی ۳۵ کو سارے مسلمانوں نے مل کر مارا۔ اسی لئے علّامہ شبلی اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"غزوۂ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔" [1]

نتائج

اِس لڑائی سے مسلمانوں کی فوجی طاقت کی دھاک کفّار پر بیٹھ گئی۔ اسلام کے خلاف جو خطرہ تھا۔ ٹل گیا۔ اور مدینہ کو استحکام حاصل ہُوا۔ البتہ کفّار کے دِلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور بنوامیّہ کے دل میں

[1] سیرت النبیؐ جلد اوّل ص ۲۵۷۔

محمّدؐ، علیؑ اور اولادِ علیؑ کی عداوت اس طرح جاگزیں ہُوئی کہ اس کے اثرات صدیوں تک نمایاں ہوتے رہے۔

بدر کے قیدیوں سے سلوک

اس لڑائی میں کفّار کے جو ستّر افراد قید ہوکر آئے تھے۔ ان سے نہایت اچھا سلوک کیا گیا۔ یہ قیدی مختلف مسلمانوں کے سپرد ہوتے تھے۔ جو اپنا کھانا انہیں کھلاتے تھے اور خود فاقہ سے رہتے تھے مالدار قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کردیا گیا۔ تعلیم یافتہ قیدیوں کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا۔ کہ وُہ مدینہ کے دس دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ نادار قیدی بلا فدیہ رہا کردیئے گئے۔

تزویج جنابِ سیّدہؑ

۲ھ میں ہی جناب فاطمہؑ کا عقد امیر علیہ السلام سے ہوا۔ علّامہ دیلمی کہتے ہیں کہ اس موقع پر سرکار رسالتؐ نے ارشاد فرمایا، کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ سیّدہ طاہرہ کا مہر ۴۸۰ مثقال چاندی تھی۔ اور یہ وُہ مبارک نکاح ہے جس سے بقائے نسل رسالتؐ ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ ہر نبی کی اولاد اس کی اپنی پشت سے ہُوئی۔ مگر میری اولاد صلبِ علیؑ سے ہوگی۔ (طبرانی)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اے انس اللہ تعالےٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ میں فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کردوں۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت فاطمہؑ کا عقد جب حضرت علیؑ سے ہوچکا۔ تو سرکار رسالتؐ نے اس طرح دُعا فرمائی۔ بارالٰہا! میں نے فاطمہؑ اور اس کی ذرّیت کو شیطان کی شر سے تیری پناہ میں سونپا۔ (مدارج النبوۃ)

رسول اللہؐ نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا۔ الٰہی ان دونوں سے اولادِ طیّب و طاہر پیدا فرما۔ (مدارج النبوۃ)

متفرق واقعات اسی سال غزوۂ بنی قینقاع پیش آیا جس کا تذکرہ تسلسل کی بنا پر آگے چل کر کیا جائے گا۔

۲ھ ہی میں رمضان کے روزے، عیدکی نماز اور زکوٰۃ فطرہ کا حکم آیا۔ نیز اسی سال مسلمانوں نے نماز عید با جماعت ادا کی۔

غزوۂ اُحد

۷، شوال ۳ھ، ۲۳ مارچ ۶۲۵ء

غزوۂ اُحد کے اسباب یہ لڑائی غزوۂ بدر کی شکست کے انتقام میں ہوئی۔ جنگِ بدر میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور حنظلہ جیسے نامور قریش مارے گئے تھے اس لئے مکّہ میں ان کفّار کی صفِ ماتم بچھ گئی۔ ابوجہل کے قتل ہونے پر کفارِ مکّہ کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ آئی۔ ابوسفیان نے قسم کھائی، کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہیں لے گا۔ اس پر دنیا کی لذّتیں حرام رہیں گی۔ جنگی تیاریوں کا سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور ابن ربیعہ ابوسفیان کے پاس گئے اور مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ اس سال تجارتِ شام کا جو کچھ منافع ہو وُہ سب جنگی سازوسامان میں صرف کر کے بدر کا پورا پورا انتقام لیا جائے۔

شعراء ابوعزہ اور ابن زبعری شاعروں کو بدر کے انتقام کے لئے اپنے اشعار میں لوگوں کو بھڑکانے کا موقعہ ملا۔[1]

لشکرِ کفّار ابوسفیان پوری تیاریوں کے ساتھ نامی گرامی بہادروں کو لے کر روانہ ہُوا۔ فوج کی تعداد تین ہزار تھی۔ جن میں سات سو

---

[1] تاریخ کامل جلد ۲ صـ۷۲ مدارج النبوۃ صـ۱۴۰۔

زرہ پوش جوان تھے۔ دُوسو سوار، ہزار اونٹ اور پندرہ ہودجیں تھیں۔ اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی اپنی چودہ سہیلیوں کے ساتھ میدان جنگ میں موجود[1] تھی اس فوج نے اُحد کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔

لشکرِ اسلام سرکارِ رسالتؐ کو جب علم ہوا۔ توحضورؐ نے بھی لشکر کو ترتیب دیا۔ مہاجرین کا علم علی مرتضیٰؓ خزرج کا علم سعد بن عبادہ اور اوس کا علم اسید بن حضیر کو دیا۔ روانگی کے وقت لشکر کی کل تعداد ایک ہزار سپاہی تھے۔ لیکن مدینہ سے باہر نکل کر جب عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر علیحدہ ہو گیا۔ اور واپس چلا آیا۔ تو میدانِ جنگ میں صرف سات سو جاں نثار باقی رہے۔ کل فوج میں صرف دو گھوڑے اور سو زرہ پوش تھے۔[2]

کفّار کی عورتیں کفّار کے لشکر کو ابوسفیان کی بیوی اپنی ساتھیوں کے ساتھ یہ اشعار سُنا رہی تھیں:

نحن بنات طارق نمشي على النمارق
ان تقبلوا نعانق اوتدبروا نفارق
فراق غیر[3] وامق

"ہم حسن وجمال میں ستارہ ہاتے فلک کی لڑکیاں ہیں۔ ہم نازونعمت سے ریشمی گدوں پر چلنے پھرنے والیاں ہیں۔ اگر تم دشمن کے مقابلہ میں پیشقدمی کروگے

---

[1] مدارج النبوۃ صـ۱۴۱۔ سیرت ابن ہشام صـ۴۸ کامل جلد ۲ صـ۷۲ طبری جلد ۲ صـ۱۲۷ خمیس جلد ا صـ۴۷۳، ابن خلدون ۲ صـ۲۴۔

[2] سیرت النبی صـ۲۷۲ و صـ۲۷۳ کامل جلد ۲ صـ۷۲۔ طبری جلد ۲ صـ۱۳ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صـ۷۷ صـ۴۸۔ مدارج النبوۃ صـ۱۴۴ و صـ۱۴۵۔

[3] استیعاب جلد ۲ صـ۲۸۶ مطبوعہ دکن۔

اور آگے بڑھتے جاؤ گے۔ تو ہم تمہیں اپنے گلے سے لگائیں گی۔ (اور دیکھو) اگر تم پیٹھ پھراؤ گے تو ہمیشہ کے لئے ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔ ایسا الگ ہونا جس کے بعد مہر و محبت کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہے گا"۔

ان اشعار میں تحریص و ترغیب بھی موجود ہے۔ اور تخویف و تنبیہہ بھی۔ اگر فتح پر وصال کے وعدے ہیں تو بھاگنے پر ہجر کی دھمکیاں۔ بہر حال یہ اشعار مخالفین سرکارِ رسالتؐ کے اخلاق و اطوار کے آئینہ دار ہیں۔

پہاڑ کا اہم درّہ

جبلِ اُحد کے پاس پہنچ کر رسول اللہؐ نے ایک پہاڑی درّہ پر پچاس تیر انداز سوار مقرر کر دیئے۔ تاکہ اگر دُشمن مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے کوئی فوج بھیجے تو یہ تیر انداز اسے روکیں۔ ان تیر اندازوں کو حضورؐ نے ہدایت کی اور تاکیدی حکم فرمایا کہ خواہ کچھ ہو وُہ اپنی جگہ پر ڈٹے رہیں۔ عبداللہ بن جبیر اس دستے کے سردار تھے۔

آغازِ جنگ

اَب جنگ شروع ہوئی سب سے پہلے قریش مکہ کا علمدار طلحہ صفِ لشکر سے باہر نکلا۔ اور اس نے مبارز طلبی کی۔ اس کے مقابلہ میں حضرت علیؓ مرتضیٰ نکلے۔ حضرت علیؓ نے پہلے ہی حملہ میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر طلحہ کا بیٹا جوشِ غضب میں لشکر سے باہر آیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاری دشمن کی فوج میں گھس گئے اور ان کی صفوں کو اُلٹ کے رکھ دیا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

حضرت حمزہؓ جوشِ ایمانی سے دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ کہ مطعم بن جبیر کے حبشی غلام وحشی نے پھرتی سے حضرت حمزہؓ پر دُور سے نیزہ پھینکا۔ یہ نیزہ آپ کی ناف میں اس وقت لگا۔ جبکہ آپ دُشمن کی صفیں کاٹتے ہوئے آگے

بڑھ رہے تھے۔ آپ نے پلٹ کر وحشی پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر آپ لڑکھڑا کر گر پڑے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ہندہ کا جوشِ انتقام

ہندہ نے جناب حمزہؓ یا دوسرے مسلمانوں کی نعشوں سے کیا سلوک کیا۔ اس سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی نعشوں سے بدلہ لیا۔ ان کے ناک، کان کاٹ لئے۔ ہندہ نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کی نعش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا۔ اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے نیچے نہ اُتر سکا۔ اس لئے اُگل دینا پڑا"

تاریخوں میں ہندہ کا لقب جو جگر خوارہ لکھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ [۵۱]

ابنِ عبدالبر نے تو یہ روایت بھی لکھ دی ہے کہ اس نے حضرت حمزہؓ کے جگر کو بھون کر کھالیا۔ [۵۲]

یہ بنی امیّہ کی عورتوں کی سنگ دلی ہے۔ حالانکہ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ جس قبیلہ کی عورتیں اس قدر قسی القلب ہوں۔ ان کے مردوں کی کیا حالت ہو گی۔ اس واقعہ سے آپ اس عناد اور دشمنی کا اندازہ کر سکتے ہیں جو اس قبیلہ میں بنی ہاشم کے لئے موجود تھی۔ جب قبیلہ کی عورتوں کے عناد کا یہ عالم ہو۔ اس کے سنگ دل مردوں کے دل میں کیا عداوت ہو گی۔

الغرض حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاری کے حملوں نے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ ابو سفیان بھاگ نکلا۔ علامہ شبلی اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

۵۱ سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۷۳ ۔ ۵۲ استیعاب جلد ۲ ص ۲۸۶ ۔

فتح شکست ہوگئی، کیوں؟

علمبرداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور ابو دجانہ انصاری کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پُرجوش نازنینیں جو اپنے رجزوں سے سپاہیوں کے دل ابھار رہی تھیں۔ وُہ بھی بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں۔ اور مطلع صاف ہوگیا۔ ؎۱

لیکن غضب یہ ہوا کہ مسلمان لڑائی کو چھوڑ کر لُوٹ میں پڑ گئے اور تیراندازوں کا جو دستہ درہ پر مامور تھا مورچہ کو چھوڑ کر لُوٹ میں شامل ہوگیا۔ عبداللہ بن جبیر بیچارے نے لاکھ سر مارا۔ روکا۔ ہٹایا۔ مگر ساتھیوں نے غنیمت کے لالچ میں ایک نہ سُنی۔ ؎۲

خالد بن ولید جو اس وقت کفّار کے لشکر میں تھا۔ اس نے اس زبردست مورچہ کو خالی دیکھا، موقعہ کو غنیمت سمجھا اور فوراً کفار قریش کے ایک دستہ سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن جبیر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جم کر لڑے۔ آخر وہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ خالد نے بڑھ کر اس مورچہ پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر اپنے دستہ سے ان لالچی مسلمانوں پر سخت حملہ کر دیا۔ یہ مسلمان لوٹ مار میں مصروف تھے کہ یکایک پیچھے سے تلواریں پڑنے لگیں۔ ادھر سامنے سے ابوسفیان بھی خالد کے حملہ کو دیکھ کر بھاگی ہوئی فوج لے کر پلٹ پڑا۔

مفرورینِ اُحد

مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بڑے بڑے مشاہیر بھاگ نکلے حضرت عمرؓ اپنے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"جب روزِ اُحد ہم کو شکست ہوئی تو میں بھاگا۔ یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اگر تم دیکھتے تو معلوم ہوتا، کہ میں پہاڑی، باشندوں کی طرح پہاڑ پر اچک رہا تھا۔" ؎۳

اصحابِ رسولؐ آنحضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ شہر مدینہ کی طرف چلے گئے۔

؎۱ سیرت النبیؐ ص۲۷۶۔ طبری ص۱۶۔ کامل ص۱۲۳۔ ؎۲ تاریخ ابن الوردی۔

؎۳ تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری جلد ۴ ص۹۶۔ کنز العمال جلد ۱ ص۴۲۹ تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۲ ص۸۰ ص۸۸۔

کچھ پہاڑ پر چڑھ کر جا بیٹھے اور رسولؐ اللہ پکار رہے تھے۔ اے بندگانِ خدا! میرے پاس آؤ۔ میرے پاس آؤ۔ ؎۱

قرآن میں فرار کی تصویر

پہاڑ پر بھاگ جانے کو خدا نے بھی اپنے کلام پاک میں یاد دلایا ہے۔

اذ تصعدون ولا تلون علیٰ احدٍ والرسول یدعوکم ؎۲

"یاد کرو اس وقت کو جب جان کے خوف سے بھاگے پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اور رسولؐ تم کو پکار رہے تھے۔"

علم بلاغت میں دسترس رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ اس آیت سے مستثنیٰ اتنے کم افراد رہ گئے تھے کہ مقام خطاب میں سب کی طرف نسبت دینا صحیح ہوا۔ اگر آدھی، چوتھائی جماعت بھی ثابت قدم ہوتو متکلم کو حق پیدا نہیں ہوتا۔ کہ پوری جماعت کی طرف نسبت دے کر واقعہ کو بیان کرے۔ بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مستثنیٰ صرف چند افراد تھے۔ اور جماعتی لحاظ سے سب کی یہ حالت تھی، جو بیان ہوئی۔ اس آیت کی توضیح کے بعد تاریخ کے مطالعہ کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی۔ انس بن مالک کے چچا انس بن نضر لڑتے بھڑتے آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اور طلحہ چند مہاجرین کے ساتھ ہاتھ پیر چھوڑے، ہتھیار پھینکے، علیحدہ بیٹھے ہیں۔ پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ جنگ سے کیوں منہ موڑ لیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسولؐ اللہ تو قتل ہو گئے (اب لڑ کر کیا کریں؟)۔ یہ سُن کر انس نے کہا۔ پھر رسولؐ کے بعد زندہ رہ کر تم کیا کرو گے؟ یہ کہہ کر خود فوج میں گھس گئے۔ اور لڑتے لڑتے خود شہید ہو گئے۔ بعد میں جب ان کی نعش کو دیکھا تو اس بزرگوار کے جسم پر تیر اور نیزے کے ستر زخم تھے، کوئی شخص پہچان نہ سکتا

؎۱ تاریخ طبری جلد ۳ ص۲۰۔ ؎۲ سورہ آلِ عمران - ۱۵۳۔

تھا۔ کہ یہ انس بن نضر کی لاش ہے ان کی بہن نے بس اُنگلی دیکھ کر انہیں پہچانا۔ ؂۱

حضرت عثمان تو بہت ہی دُور نکل گئے تھے۔ ؂۲

تین دن کے بعد جب حضرت عثمان واپس آئے تو رسولؐ اللہ نے فرمایا آپ تو بہت ہی دُور نکل گئے تھے۔ ؂۳

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ایک گوشہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت عثمان تین روز کے بعد واپس تشریف لائے۔ ؂۴

حضرت ابو بکر نیستان میں جا چھپے تھے، صاحب تاریخ خمیس حضرت ابوبکر کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب سب لوگ اُحد کے دن رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ تو سب سے پہلے میں نبیؐ کے پاس آیا۔ ؂۵

جناب امیرؑ کا ثبات

اس جنگ میں حضرت علیؑ مرتضیٰ ایک قدم بھی نہ سرکے۔ برابر تلوار چلاتے، صفوف کفّار کو برہم کرتے اور حضرت رسُولؐ کی جستجو میں آگے بڑھتے رہے، چونکہ یہ آواز کان میں پڑ چکی تھی کہ آنحضرتؐ شہید ہو چکے ہیں لہٰذا بہت مضطرب اور سخت طیش میں تھے۔ لڑتے لڑتے آپ نے دیکھا کہ مسلمان دُوسری طرف ابھی تک جا رہے ہیں۔ پس اس طرف کو بڑھے اور کافروں کو مارتے گراتے وہاں تک پہنچے۔ جہاں ابو دجانہ وغیرہ چند جانباز مجاہد سینہ سپر تھے، اور آنحضرتؐ کو دشمنوں سے بچا رہے تھے پس آنحضرتؐ کو زندہ پاکر علیؑ

؂۱ تاریخ کامل جلد ۲ ص۷۵۔ واقدی ص۱۰ ص۹۲ و ص۹۵۔ تاریخ خمیس جلد اوّل ص۴۸۸ طبری جلد ۳ ص۱۹۔ سیرت ہشام جلد ۲ ص۷۵۔ معارج النبوۃ ص۹۹۔ مدارج النبوۃ ص۱۴۸۔ ؂۲ تاریخ طبری جلد ۳ ص۲۱۔ ؂۳ مدارج النبوۃ ص۱۴۸۔

؂۴ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۲ ص۳۷۔ تفسیر کبیر جلد ۸ ص۳۔

؂۵ تاریخ طبری، مستدرک حاکم۔ قرۃ العین۔

کی جان میں جان آئی۔ پہلے سے زیادہ شدت و قوت کے ساتھ دشمنوں پر حملہ کر کے پیچھے ہٹادیا۔ ؂۱

صاحب مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق لکھتے ہیں جب مسلمان شکست کھاکر حضرت رسُولؐ کو تنہا چھوڑ گئے۔ آپ سخت غصّہ میں تھے اور حضورؐ کی پیشانی سے پسینہ موتیوں کی طرح ٹپک رہا تھا۔ اس حالت میں آپ کی نظر حضرت علیؑ مرتضیٰ پر پڑی۔ کہ حضورؐ کے پہلوئے مبارک میں کھڑے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ! تم اپنے بھائیوں سے کیوں نہ جا ملے؟ اس پر حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ "حضورؐ! کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ مجھے تو آپ کی پیروی سے کام ہے ایسے دوستوں، اور بھائیوں سے کام نہیں جو غنیمت کے پیچھے پڑ گئے اور شکست کا باعث ہُوئے"۔ اسی اثنا میں کافروں کی ایک جماعت نے رسُولؐ اللہ پر حملہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ! اس گروہ سے میری حفاظت کیجئے اور میری نصرت اور خدمت کا حق بجا لایئے کہ یہی میری امداد کا وقت ہے۔ علیؑ مرتضیٰ اس گروہ پر حملہ آور ہوتے۔ انہیں تباہ و برباد کیا اور منتشر کر دیا اور ان میں سے ایک جماعت کثیر کو جہنم پہنچا دیا۔ ؂۲ یہی شاہ عبدالحق لکھتے ہیں۔

جب علیؑ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے اس طرح شجاعت کا اظہار فرمایا اور رسولؐ اللہ کی نصرت کا حق ادا کیا تو حضرت جبرئیل نے سرکارِ رسالتؐ سے عرض کیا یہ انتہائی مواسات اور قربانی اور جوانمردی ہے جو اس وقت علیؑ سے ظاہر ہوئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیوں نہ ہو۔ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ اس وقت جبرئیل امینؑ نے عرض کیا۔ میں آپ دونوں سے ہوں۔ کہتے ہیں کہ اس وقت لوگوں نے سُنا کہ ہاتفِ غیبی کہہ رہا تھا۔

؂۱ اعجاز التنزیل ص۳۷۷۔ ؂۲ مدارج النبوۃ ص۱۵۲۔

لا سیف اِلاّ ذو الفقار ولا فتٰی الاّ علیؑ۔ کوئی تلوار نہیں مگر ذوالفقار اور کوئی جوانمرد نہیں مگر علیؑ۔ [1]

قیس نے سعد سے روایت کی ہے کہ میں نے علیؑ مرتضٰی سے سُنا، فرماتے تھے کہ اُحد کے دن اٹھارہ ضربیں میرے جسم پر لگیں، چار ضربوں کے بعد میں زمین پر گر پڑا۔ کہ ایک خوش منظر شخص نے جس کے جسم سے خوشبو آرہی تھی۔ بازو سے پکڑ کر مجھے کھڑا کیا اور کہا کہ کافروں پر حملہ کرو۔ تم اس وقت خدا اور رسُولؐ کی اطاعت کر رہے ہو۔ اور وُہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ بعد جنگ میں نے اس واقعہ کو سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں عرض کیا، حضورؐ نے فرمایا وُہ جبرئیلؑ امین تھے۔ [2]

اس لڑائی میں جب کہ ایسے مرد جن کی شجاعت کے افسانے بیان کئے جاتے ہیں۔ میدانِ جنگ سے پسپا ہو گئے ایک جان نثار عورت کی بہادری کا ذکر نہ کرنا انصاف کا خون ہے۔

ام عمارہ انصاریہ کا ثبات وجان نثاری

ام عمارہ خاندان انصار کی مایۂ ناز خاتون ہیں۔ یہ عفیفہ بی بی جسے صحابیہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ سرکارِ رسالتؐ سے اجازت لے کر لشکرِ اسلامی کی خدمات کے لئے اُحد میں ہمراہ آئی تھیں اُور فن جراحی میں دسترس رکھتی تھیں۔ عین اس موقع پر جبکہ فوجِ کفار کے موذی تیر انداز سرکارِ رسالتؐ پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے، یہ شیر دل انصاریہ خاتون حضورؐ کے آگے کھڑی ہوگئیں۔ اوران کے تیروں کو اپنے سینہ پر لینے لگیں۔ اُور جب وہ خونخوار جماعت نیزہ اور تلوار لے کر حضورؐ پر حملہ کرتی تھی۔ تو یہ خود تلوار پکڑ کر ان کے وار کو روکا کرتی تھی جب ابن قیمہ تلوار پکڑ کر سرکارِ رسالتؐ کے بالکل قریب آگیا تو ام عمارہ نے

---

[1] مدارج النبوۃ ص۱۵۲۔
[2] مدارج النبوۃ ص۱۵۳۔ معارج النبوۃ رکن چہارم ص۵۴ و ص۹۵ و ص۹۶۔

بڑھ کر بڑی دلیری سے روکا اُور اسی رد وکد میں اس جانباز عورت کے کاندھے پر زخم لگا۔ اور داغ پڑ گیا۔ جو مدتوں رہا۔ اس بہادر خاتون نے ابن قیمہ پر تلوار کی ضرب لگائی۔ مگر وہ ظالم دُو زرہیں تلے اُوپر پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے ان کی تلوار کام نہ کر سکی۔ [1]

اس جنگ میں کفار قریش کے ایک سپاہی ابو عامر شقی نے میدانِ جنگ میں ایک گڑھا کھود کر خس پوش کر دیا تھا، کہ مسلمان اس میں گریں اور چوٹیں کھائیں اور زخمی ہوں۔ سرکارِ رسالتؐ جب اس گڑھے کی طرف تشریف لاتے تو اس میں گر گئے۔ حضرت علیؑ نے فوراً آگے بڑھ کر ہاتھ تھامے اور طلحہ نے حضورؐ کو باہر نکالا۔ [2]

رسُولُ اللہ کے مصائب

رسولُ اللہ اس جنگ میں طرح طرح کی تکلیفیں اور رنج سہتے ہیں۔ زخم کھاتے ہیں۔ دندانِ مبارک سے خون جاری ہے۔ پیشانی اقدس مجروح ہے لہُو بہہ رہا ہے مگر یادِ الہٰی میں مشغول ہیں۔ زبانِ اقدس سے سرکار احدیّت میں عرض کر رہے ہیں، بارِ الہٰا میری نادان قوم کو بخشش دے۔ یہ تیرے نبی اور تیرے دین کی قدر نہیں جانتے۔ [3]

سیّدہ طاہرہؑ اور رسولُ اللہ کے زخموں کی مرہم پٹی

محدث شیرازی لکھتے ہیں کہ جناب سیّدہ خبر شہادت سرکارِ رسالتؐ سُن کر بے تاب ہوگئیں اور چودہ مُسلمان عورتوں کے ہمراہ میدان جنگ میں چلی آئیں۔ جب جناب سیّدہؑ کی نظر اپنے والد بزرگوار کے خون آلودہ چہرے پر پڑی تو بے قرار ہو کر رونے لگیں۔ سرکار رسالتؐ نے اپنی پارۂ جگر کو سینہ سے لگا لیا۔ اور دیر تک روتے رہے۔ اسی اثنا میں

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص۸۴۔ سیرۃ النبی ص۲۸۱۔
[2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص۸۴۔ معارج ص۱۰۱۔ [3] سیرۃ النبی ص۲۷۵۔ صحیح مسلم۔

حضرت علیؓ بھی حاضر ہوئے۔ وہ اپنی ڈھال میں پانی لاتے۔ سیّدۂ عالم فاطمہؓ نے دھونا شروع کیا۔ لیکن زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر سیّدہ طاہرہؓ نے پارچۂ حریر اور بروایت بخاری پارۂ حصیر جلا کر لگایا۔ تب خون بند ہوا۔[۱]

کہتے ہیں کہ سیّدہ طاہرہؓ کے علاوہ رسولؐ اللہ کی تین بیٹیاں اور بھی تھیں، جو اس معصومہؓ کو نین سے عمر میں بڑی تھیں۔ ان میں سے دو زندہ تھیں۔ خدا معلوم وہ ایسے مصیبت کے موقعوں پر کیوں نظر نہیں آتیں۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

شکست پھر فتح میں تبدیل ہوگئی

افسوس ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی طمع اور بزدلی نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا۔ جس سے شوکت اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ اگر حضرت علیؓ جیسا نامور شجاع اس جنگ میں شریک نہ ہوتا تو دشمنانِ دین شمع رسالتؐ کو اس روز ضرور گل کر دیتے۔ اور پھر مسلمانوں پر وہ بلا نازل ہوتی۔ جس کا تصوّر بھی نہیں ہو سکتا۔ اسد اللہ الغالبؓ نے معدودے چند جان نثاروں کے ساتھ اُحد کی شکست کو فتح سے بدل دیا۔ ابوسفیان اپنی بقیہ فوج کو اکٹھا کر کے مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ رسولؐ اللہ نے اس خیال سے کہ کفارِ قریش پلٹ کر دوبارہ مدینہ پر حملہ نہ کریں، ستّر جانباز رضاکاروں کے ساتھ جو آپ کی طرح زخمی تھے۔ ابوسفیان اور اس کی فوج کا تعاقب کیا۔ اس تعاقب کا یہ بھی مقصد تھا کہ آس پاس کے قبیلے یہ نہ خیال کریں کہ مسلمانوں کی طاقت ختم ہو چکی ہے، اب جو چاہے انہیں تنگ کر سکتا ہے۔ مسلمانوں نے اس طرح کفار قریش کو بھگا دیا۔ اس جنگ میں ستّر مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں چار مہاجر اور باقی انصار تھے۔

حمزہؓ کی نعش پر حضورؐ کا نوحہ

سب سے المناک واقعہ شیرِ خدا حضرت حمزہؓ سیّد الشہداء کی شہادت تھی۔

---

[۱] روضۃ الاحباب صفحہ ۲۷۔

سرکارِ رسالتؐ نے میدانِ جنگ کا جب ملاحظہ کیا تو حضرت حمزہؓ کی نعش کو دیکھا۔ ناک۔ کان کٹے ہوئے ہیں۔ کلیجہ چرا ہوا ہے۔ حضورؐ کو انتہائی رنج ہوا۔ حکم دیا کہ حضرت حمزہؓ کی نعش پر چادر ڈال دو۔ کہ اِن کی بہن ان کو اس حالت میں نہ دیکھیں۔[۱]

امیر حمزہؓ کے کفن کی چادر اِس قدر چھوٹی تھی کہ اگر پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اور اگر سر کو ڈھانکا جاتا تھا، تو پاؤں کھلے رہتے تھے آخر سر کو چادر سے ڈھانپ کر پیروں کو گھاس اور پتوں سے ڈھانپ دیا۔ پھر رسولؐ اللہ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

یا حمزہ یا اسد اللہ و اسد رسولہ یا فاعل الخیرات
یا حمزہ یا کاشف الکرب، فطل بکاء۔

اے حمزہؓ! اے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے شیر۔ اے نیکیوں کو انجام دینے والے، اے مصیبتوں کو دُور کرنے والے، کاش تجھ پر گریہ و بکا طولانی ہو۔[۲]

حضرت صفیہؓ بھائی کی نعش پر

حضرت صفیہؓ کو بھائی کی خبرِ شہادت مل چکی تھی۔ بھائی کے درد سے دوڑی چلی آئی تھیں۔ سرکارِ رسالتؐ کی نظر پڑ گئی۔ زبیر، ان کے صاحبزادے پاس کھڑے تھے۔ حکم دیا۔ کہ ماں کو جا کر راہ میں روک دو۔ بھائی کی نعش کو اس حالت میں دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں گی۔ زبیر بن العوام دوڑے گئے۔ ماں کو روکنا چاہا۔ لیکن وہ نہ رُک سکیں۔ بیٹے سے اتنا کہا کہ میں کچھ نہ کروں گی۔ بھائی کو آخری بار دیکھ کر چلی آؤں گی۔ چنانچہ یہ معظمہ بھائی کی نعش پر آئیں۔ بھائی کی نعش کو حسرت آلود نگاہوں سے دیکھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ پڑھ کر ہٹ آئیں۔ ہٹنا تھا۔ کہ غم و الم کا دل پر ہجوم ہوا۔ دھاڑیں مار مار کر رونے

---

[۱] تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ خمیس۔
[۲] تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۴۹۷۔ بحوالہ ذخائر العقبیٰ۔

لگیں۔ اوران کے ساتھ جناب سیّدہ اور دیگر خواتین ہاشمیہ مل کر فریاد و زاری کرنے لگیں۔ رسولؐ اللہ سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ اس نوحہ خواں گروہ کی طرف متوجہ ہوتے۔ اورحضرت صفیہؓ سے خطاب فرماکر صدائے غم آلود سے فرمانے لگے :-

" پھوپھی اماں ! اب آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا مصیبت زدہ نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا اے صفیہؓ ! اے فاطمہؑ ! تم کو بشارت ہوکہ جبرئیلؑ نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ ملائکہ ملاء اعلےٰ حضرت حمزہؓ کو اسداللہ و رسولہ کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔" [1]

رسولؐ اللہ نے حضرت حمزہؓ کو ایک قبر میں اور باقی اصحاب کو ایک قبر میں دو۔ دو۔ تین تین کرکے دفن کردیا۔ [2]

حمزہؓ کی عزاداری کیلئے رسولؐ اللہ کی تمنّا اور اس کا اثر

جنگ اُحد کے بعد آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ آپؐ جس طرف سے گذرتے تھے۔ گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپؐ کو خیال ہوا۔ کہ سب کے عزیز واقارب ماتم داری کا فرض ادا کررہے ہیں۔ لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں، رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔" لیکن حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں "۔ انصار نے یہ سُنا۔ تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے جاکر اپنی عورتوں کو حکم دیا۔ کہ دولت کدہ رسالتؐ پر جاکر حمزہؓ کا ماتم کرو۔ سرکار رسالتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی۔ اورحضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ حضرت نے شکر گزاری کا اظہار فرمایا اوران کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ عرب میں دستور تھا، کہ سال کے خاص

[1] روضۃ الاحباب ص۲۴۲ ۔
[2] تاریخ ابن اثیر و تاریخ خمیس۔

ایام میں عورتیں اپنے مقبول عزیزوں کا ماتم کیا کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد سے مدتوں تک یہ معمول رہا۔ کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہؓ کے ماتم سے شروع کی جاتی، یہ پابندی رسم نہ تھی۔ بلکہ حضرت حمزہؓ کی حقیقی محبّت۔ [1]

رسولؐ اللہ قبورِ شہداء پر

رسولؐ اللہ کا واقعہ اُحد سے آٹھ برس بعد اوراپنی وفات سے دو برس پہلے شہدائے اُحد کے مدفن کی طرف سے گزر ہُوا۔ اس مقتل کو دیکھ کران کی یاد تازہ ہوگئی صورتیں آنکھوں میں پھرنے لگیں۔ بے اختیار ہوکر رو پڑے اور رونے میں ایسے کلمات دردآمیز جاری فرمائے۔ جیسے کوئی اپنے عزیز کے مُردے سے ابھی ابھی جدا ہوتا ہے۔ رقت کم ہُوئی۔ تو اس وقت آپؐ نے صحابۂ حاضرین کو مخاطب کرکے طولانی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے آخر میں فرمایا :-

مسلمانو ! مجھے تم سے یہ خوف نہیں کہ تم پھر مشرک بن جاؤ گے۔ لیکن ڈر یہ ہے کہ دُنیا میں نہ پھنس جاؤ۔ [2]

شہدائے اُحد اور حضرت ابوبکر

مالک بن ابی النضر مولیٰ ابن عبیداللہ سے روایت ہے کہ اس کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسولؐ اللہ نے بہ تحقیق شہدائے اُحد کے لئے دُعا فرمائی۔ اور فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا۔ یا رسولؐ اللہ ! آیا ہم ان ہی کے بھائی نہیں۔ ہم اسلام بھی لائے۔ جیسا کہ یہ لائے۔ اور جہاد کیا ہم نے جیسا کہ انہوں نے کیا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا مجھے کیا معلوم ہے کہ میرے بعد تم کیا کیا نئے امور پیدا کرو گے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر روئے اور بہت روتے اور پھر کہا۔ کیا ہم آپ

[1] سیرۃ النبیؐ ص۳۸۳ بحوالہ تاریخ کامل و تاریخ طبری ص۱۴۲۵ ۔
[2] سیرۃ النبیؐ بحوالہ بخاری۔

کے بعد بھی زندہ ہوں گے۔ ؎۱

ولادت امام حسن علیہ السّلام

۱۵- رمضان المبارک ۳ھ کو سرکارِ صلح و امن حضرت امام حسن علیہ السّلام کی ولادت ہوئی۔ پیدائش کے ساتویں دن سیدۂ عالمؑ ایک بہشتی کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کے پاس لائیں۔ سرکارِ ختمی مرتبتؐ نے بکمال محبت گود میں لیا۔ وحی الٰہی کے مطابق عبرانی میں شبّر اور عربی میں حسنؑ نام رکھا اور خود ہی عقیقہ فرمایا۔

ولادت امام حسین علیہ السّلام

۴ھ میں سرکارِ شہادت امام حسین علیہ السّلام کی ولادت ہوئی۔ حضورؐ کو جیسے ہی تولّد کی اطلاع ملی۔ اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ میرے نومولود بچّے کو لاؤ۔ اسماء نے تعمیل حکم کی۔ حضرتؐ نے چھوٹے نواسے کو گود میں لیا۔ اذان واقامت کہی۔ نام رکھا۔ عقیقہ کیا۔ اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات فرمائی۔

رحلت جناب فاطمہ بنت اسد

۴ھ میں جناب امیر علیہ السّلام کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد جنہوں نے رسول اللہ کو بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ اور رسول اللہ انہیں ماں کے بعد ماں کہا کرتے تھے۔ انتقال فرمایا۔

؎۱ مؤطا امام مالک ص۱۷۳ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی۔

نواں باب

غزوات (ب)

غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق

ذی قعدہ ۵ھ۔ مارچ، اپریل ۶۲۷ء

اسبابِ جنگ

۱- مدینہ طیبہ میں اسلام کی مسلسل ترقی کو کفارِ قریش کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جوں جوں اسلام کی اشاعت کی خبریں مکہ پہنچتی تھیں۔ ان کے عناد کی آگ اور بھڑکتی تھی۔ اگرچہ اُحد کی لڑائی میں انہوں نے مسلمانوں کو شدید جانی نقصان پہنچایا تھا۔ مگر پھر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔

۲- اُحد کی لڑائی میں عام وقار کو جو صدمہ پہنچا تھا۔ اسے بہت جلد مسلمانوں نے بحال کر لیا۔ ان کے اثرات مشرق میں نجد تک اور شمال میں دومۃ الجندل تک پہنچ گئے۔ اس اثر و رسوخ کی وسعت سے کفارِ قریش نے یہ سمجھا کہ ان کے شام، عراق اور مصر جانے والے تجارتی قافلوں کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں۔ اور اس معاشی نقصان کو بہت بڑا نقصان سمجھنے لگے۔

۳- مدینہ کے یہودیوں سے سرکارِ رسالتؐ نے جو معاہدہ کیا تھا۔ اس میں انہیں نظام ملکی میں پورے حقوق دیئے تھے۔ مگر وہ اس معاہدہ کے

باجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے، ان کی اِن ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلمانوں نے غزوۂ بدر کے بعد شوال ۲ھ میں بنی قینقاع کو اور غزوۂ اُحد کے بعد ربیع الاوّل ۴ھ میں بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا۔ اِن دونوں یہودی قبیلوں کی جلاوطنی سے مدینہ طیبّہ یہودی سازشوں سے پاک ہوگیا۔ لیکن خیبر اور وادیُ القریٰ کے یہودی چونکہ اس شاہراہ پر آباد تھے جو مدینہ سے شام اور بیت المقدس تک چلی گئی ہے۔ اس لئے وہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کی سازشوں سے اسلامی تجارتی قافلوں کے لئے خطرہ بن گئے اور انہوں نے اپنے معاشی اثرات سے بنی غطفان وغیرہ کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرلیا۔

۴ - اسلام کو دنیا سے مٹانے کے لئے یہودیوں اور مشرکوں کا گٹھ جوڑ ہوگیا۔ اس مذموم اتحاد میں بنی غطفان، بنو سلیم، بنو سعد اور بنو اسد وغیرہ قبائل بھی شامل ہوگئے۔

ان تمام وجوہ سے کفار و مشرکین نے ایک ٹڈی دل فوج جمع کرلی جس کی تعداد کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھی۔

دو سال تک جنگی تیاریاں ہوتی رہیں۔ آخر شوال ۵ھ میں کفار نے مدینہ طیبّہ کا محاصرہ کرلیا۔

عربی زبان میں حزب کے معنی جتھہ یا گروہ کے ہیں۔ چونکہ مشرکین و یہود نے مختلف قبائل کی جتھہ بندی سے شہر کا محاصرہ کیا تھا۔ اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب یا جنگ احزاب کہتے ہیں۔

اس جنگ کے لئے ابوسفیان چار ہزار فوج کے ساتھ مکّہ سے نکلا تھا راستے میں یہودی چھ ہزار فوج لے کر شامل ہوگئے تھے۔

مسلمانوں کی تیاری، خندق اور مصائب

جب سرکارِ رسالتؐ کو مدینہ طیبّہ میں اس لشکرِ عظیم کی خبر

ملی تو حضورؐ نے ان حالات میں صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان ایرانی تھے۔ اور اپنے ملک کے طریق جنگ سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنے ملک کے دستور کے مطابق عرض کیا کہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے موقعہ پر اہل ایران خندق کھود کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اور اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے اس تجویز کو منظور فرمایا۔

مسلمانوں کی جمعیت تین ہزار سے زیادہ تھی۔ سب نے خندق کھودنا شروع کردی۔ خندق کھودنے والوں میں سرکار رسالتؐ کی ذاتِ اقدس بھی تھی۔ اس واقعہ کے مہینوں پہلے سے مدینہ میں قحط تھا۔ خرمے کی پوری فصل تباہ ہوگئی تھی۔ خوراک کی کمی تھی۔ کفار کے حملہ کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔ مسلمانوں پر فقر و فاقہ کی کیفیت طاری تھی۔ اس پر تند و تیز ہوا چل رہی تھی۔ ابرِ باراں بھی تھا۔ دن بدن پتھریلی زمین کا کھودنا بڑے بڑے دلیروں کے کلیجے ہلے جا رہے تھے۔ علاوہ ازیں مشہور منافق عبداللہ بن اُبی کے ساتھیوں نے ان تکالیف سے گھبراکر کھُلے لفظوں میں جناب رسالتمآب سے کہہ دیا۔ کہ ہم تو شہر میں جائیں گے۔ ہمارے گھر اور ہمارے بال بچّے محفوظ نہیں ہیں۔ رسول اللہؐ نے انہیں چلے جانے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی کم تھی۔ ان لوگوں کے چلے جانے سے اور کمی آگئی۔ غزوۂ اُحد میں ان منافقین کی آزمائش ہوچکی تھی اس لئے ان کا چلا جانا کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔ مگر ان کے چلے جانے سے کمزور دل مسلمانوں پر بھی کافی اثر پڑا۔ اور وہ رسول اللہؐ سے فاقہ کی شکایت کرنے لگے۔ جب انہیں علم ہوا کہ رسولُ اللہ بھی فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے خندق کھود رہے ہیں تو رونے لگے۔

جنگ کا آغاز

خندق کا ختم ہونا تھا۔ کہ دشمن بھی قریب کی پہاڑیوں پر آموجود ہوا۔ جب مخالف کے لشکر نے ہر طرف

سے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا۔ تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے۔ بہت ڈرے۔ ایک تو لشکر کی کثرت دُوسرے اس لشکر میں عمرو ابن عبدود جیسے نامی پہلوان کی موجودگی! جسے اہلِ عرب ہزاروں کے برابر سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"ان میں سب سے زیادہ مشہور عمرو ابن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔" [1]

عمرو ابن عبدود کی مبارزطلبی

عمرو ابن عبدود نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور خندق کو پار کرکے مبارز طلب ہوا۔ اسلامی فوج کی یہ حالت ہوئی۔ کہ کوئی اس کے مقابلہ کے لئے نہیں نکلتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ اصحابِ رسولؐ کے سَروں پر پرند بیٹھے ہُوئے تھے۔ [2]

حضرت عمرؓ نے اس کی آواز پہچان لی۔ اور کہا۔ یہ تو عمرو ابن عبدود ہے مجھے اس کی بے نظیر دلیری اور شجاعت کا تجربہ ہو چکا ہے، سفر میں ایک بار میرا اس کا ساتھ ہوگیا۔ اثنائے راہ میں ڈاکو ہمارے قافلہ پر ٹوٹ پڑے تنہا اسی شخص نے قزاقوں کی جماعت کثیر سے مقابلہ کیا۔ اثنائے مقابلہ میں اس کی سپر ٹوٹ گئی۔ تو فوراً اونٹ کے بچے کو تھام کر اس کو اپنی سپر بنالیا۔ اور ڈاکوؤں کے وار روکتا رہا۔ یہاں تک کہ تمام ڈاکوؤں کو اس نے بھگادیا۔ میں اس کی عظیم طاقت وشجاعت دیکھ کر حیران ہوگیا۔ [3]

پہلے ہی فوج پر خوف طاری تھا۔ اس واقعہ کو سُن کر اور حواس باختہ ہوگئے اس وقت جبکہ تمام صحابہ پر خاموشی طاری تھی۔ حضرت علیؓ نے خدمت رسالتؐ میں عرض کیا۔" میں اس سے مقابلہ کروں گا" سرکارِ رسالتؐ نے روکا پھر

---

[1] سیرۃ النبیؐ ص۳۱۳ ۔ [2] روضۃ الاحباب ۔
[3] مدارج النبوۃ ۔ حبیب السیر ۔

عمرو ابن عبدود نے مبارزطلبی کی۔ حضرت علیؓ مرتضےٰ نے پھر اجازتِ جنگ طلب کی۔ پھر حضورؐ نے روکا۔[1] تیسری مرتبہ عمرو ابن عبدود نے جو اشعار اسلامی فوج کو مخاطب کرکے پڑھے۔ اِن کا ترجمہ یہ ہے۔

"بیشک میری آواز تم لوگوں کو پکارتے پکارتے تھک گئی۔ جب بہادر نامردی کرتے تھے۔ میں دلیروں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں اسی طرح لوگوں کی صف میں دوڑتا پھرتا تھا۔ کیونکہ جوانمرد کے لئے سخاوت اور شجاعت بہت اچھی صفت ہے۔" [2]

حضرت علیؓ میدان میں

اس رجز پر جناب امیرؑ نے باصرار سرکارِ رسالتؐ سے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت چاہی حضورؐ نے اجازت دی۔ رسولؐ اللہ نے اپنی تلوار ذوالفقار حضرت علیؓ کو عطا کی۔ اپنی زرّہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی۔ اپنی دستارِ مُبارک ان کے سَر پہ رکھی اور ایک روایت کے مطابق اپنے دستِ مبارکؐ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور کہا۔ بارالٰہا تو عمرو کے مقابلے میں علیؓ کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا۔ الٰہی تو نے عبیدہؓ کو بدر کے دن مجھ سے لے لیا اور حمزہؓ کو اُحد کے دن مجھ سے جدا کرلیا۔ یہ علیؓ میرا بھائی ہے اور ابنِ عم ہے تو مجھے تنہا نہ چھوڑ۔ تو سب سے بہتر وارث ہے۔[3] جب علیؓ عمرو ابن عبدود کے مقابلہ کے لئے نکلے تو رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ برزالایمان کلہ الی الکفر کلہ ۔ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکلا ہے۔[4]

---

[1] سیرۃ النبیؐ ص۳۱۳ ۔ [2] ارجح المطالب جلد ا ص۲۱۸ ۔ مطالب السئول، ذخائر العقبیٰ، روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ۔ [3] روضۃ الاحباب [4] حیوۃ الحیوان۔ حاکم، سیرۃ الحمدیہ، فردوس الاخبار، مناقب خوارزمی۔ اربعین رازی۔ روضۃ الاحباب ص۳۲۷ اخبار منادی دہلی ۵ - ۱۲ ، جولائی ۳۵ء - مقالہ علامہ عینی شاہ نظامی حیدرآبادی -

حضرت علیؓ کا رجز

حضرت علیؓ مجاہدانہ شان سے میدان جنگ میں آئے اور عمرو ابن عبدود کے مقابلہ میں جو رجز پڑھا۔

اس کا ترجمہ یہ ہے :-

"اے عمرو تجھ پر افسوس ہے، تیرے پاس وہ آرہا ہے جو تیری آواز کے جواب دینے میں عاجز نہیں اور صاحب ارادہ و بصیرت ہے اور سچ یہ ہے کہ ایک کامیاب بہادر کو زندگی سے نجات دینے چلا ہے۔ میں بیشک اللہ سے امید رکھتا ہوں۔ بوڑھی عورتوں کے بین تجھ پر جاری کراؤں گا۔ اور معرکوں میں میری ضرب کا ذکر باقی رہ جائے گا۔" [1]

عمرو کا قتل و فتح خندق

الغرض عمرو ابن عبدود سے مقابلہ ہوا۔ عمرو کی تلوار حضرت علیؓ کی سپر کاٹتی ہوئی سر تک پہنچی۔ حضرت علیؓ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا۔ تو عمرو کا سر کئی قدم کے فاصلہ پر جا کر گرا۔ حضرت علیؓ کی تکبیر سن کر مسلمانوں کا نعرہ بلند ہوا۔ "وہ" مارا" عمرو مارا گیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھے۔ پھر بقیہ کفار سے لڑائی ہوئی۔ طرفین سے چند آدمی مارے گئے۔ حضرت سعد بن انصاری سخت زخمی ہوئے۔ آخر وہ کفار جو خندق پھاند کر آئے تھے بھاگے۔ وقت نوفل کا گھوڑا خندق نہ پھاند سکا۔ اور خندق میں جا گرا۔ علیؓ مرتضٰے نے خندق میں کود کر ایک ایسا ہاتھ مارا، کہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر دشمنوں کا تعاقب کیا گیا۔ عکرمہ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے زخمی ہوا۔ ضرار بن خطاب بن مرداس فہری حضرت علیؓ کی صورت دیکھتے ہی بھاگا۔ حضرت عمرؓ نے بھاگتا دیکھ کر پیچھا کیا۔ وہ پلٹ پڑا اور نیزہ کا وار کرنا چاہا۔ پھر یہ کہہ کر کہ اگر میں نے عہد نہ کیا ہوتا کہ کسی قریشی کو نہ ماروں گا۔ تو قتل کر ڈالتا۔ رُک گیا۔ اور نیزہ

[1] مطالب السئول۔

کو سر پر چھوا کر کہا کہ یہ نعمت مشکورہ ہے جو میں نے تم پر ثابت کی۔ جاؤ یاد رکھنا اور احسان نہ بھولنا۔ [1]

عمرو ابن عبدود کو مار کر حضرت علیؓ نے اس کی زرہ جو نہایت قیمتی تھی۔ نہ اُتاری۔ اور اس کا سر لا کر آنحضرتؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا۔

ضَربَۃُ عَلِیٍّ یَومَ الخَندَقِ اَفضَلُ مِن عِبادَۃِ الثَّقَلَین۔

"خندق میں علیؓ کی ایک ضربت عبادتِ دو جہان سے بہتر ہے"

ابوسفیان کا حوصلہ پست ہو گیا۔ اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ اور بازگشت کا حکم دیا۔ کچھ رات گئے دشمن کی فوج میں سے قریشی مکّہ کی طرف اور ان کے مددگار اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسلمان یہ خبر سن کر مسرور ہوئے اور خوشی خوشی مدینہ واپس آ گئے۔

غزوۂ احزاب یا خندق کے نتائج

۱۔ یہ جنگ ایسی فیصلہ کن جنگ تھی کہ اس کے بعد قریش کا زور ٹوٹ گیا۔ اور طاقت اس قدر کم ہو گئی، کہ پھر انہیں مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

۲۔ اس فتح سے تمام قبائل عرب پر مسلمانوں کی فوجی طاقت کا سکّہ بیٹھ گیا۔ کفّار قریش کی عظمت ان کی نظروں سے گر گئی۔ اور وہ سرکار رسالتؐ کو اہم ترین سیاسی قوت سمجھنے لگے۔ اور آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

۳۔ انخلائے یہود۔ اس سے قبل یہودیوں کے دو قبیلوں بنو قینقاع اور بنو نضیر کو مدینہ چھوڑنے پر مجبور کیا جا چکا تھا۔ اب مدینہ میں صرف ایک یہودی قبیلہ بنو قریظہ آباد تھا۔ معاہدۂ مدینہ کے لحاظ سے ان کا اہم فریضہ تھا۔ کہ جنگِ خندق میں شہر کے دفاع میں حصّہ

[1] روضۃ الاحباب۔ ازالۃ الخفا۔ خمیس۔

لیتے۔ مگر وُہ حملہ آوروں سے مِلے ہُوتے تھے۔ جب ان کی غداری اور مخالفت بالکل ظاہر ہوگئی۔ تو انہیں مدینہ سے نکال دیا گیا۔ اور مدینہ کواِن کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔ اور یہ بات مرکزِ اسلام کی مضبوطی کا باعث ہوئی۔

۴ - اس لڑائی کے بعد ینبیع اور مدینہ کے درمیان جو قبیلے آباد تھے انہوں نے سرکار سرکارِ رسالتؐ سے معاہدے کر لئے۔ ان معاہدات سے کفّارِ قریش پر مصر وشام کے تجارتی راستے تنگ اور بالکل بند ہو گئے۔ اِدھر اسلامی اثرات نجد تک پہنچ گئے۔ بلکہ نجد سے گذر کر یمامہ تک پھیل گئے۔ یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال مسلمان ہوگیا۔ اس سے کفّار قریش کے لئے عراق کا تجارتی رستہ بھی مسدود ہو گیا۔ اس طرح سے کفّارِ قریش مسلمانوں کے نرغہ میں گھر گئے۔ تجارتی راہیں مسدود ہو جانے سے غلّہ اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی درآمد بند ہوگئی۔ چنانچہ کفّارِ قریش معاشی اور اقتصادی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔

دسواں باب

صلح حدیبیہ

ذیقعد ۶ھ ، مارچ ۶۲۸ء

صلح حدیبیہ

مسلمانوں کے دلوں میں خانہ کعبہ کا انتہائی احترام تھا۔ اگرچہ بیت اللہ کو اس وقت کفارِ قریش نے بُت کدہ بنا رکھا تھا۔ مگر یہ وہی اسلامی عبادت گاہ تھی۔ جسے اسلام کے صاحب ملّت حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے تعمیر فرمایا تھا۔ اور مرکزِ توحید قرار دیا تھا۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ تھا چھ برس سے مسلمان حرم محترم کی زیارت سے محروم تھے، عام مسلمانوں کے دل میں بالعموم اور مہاجرین مکّہ کے دل میں بالخصوص حج بیت اللہ کی سعادت سے شرف اندوز ہونے کا جذبہ موجود تھا۔ اس لئے سرکارِ رسالتؐ چودہ سو مسلمانوں کی معیت میں زیارت بیت اللہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہوتے۔ آنحضرتؐ قریش سے جنگ کرنے کی نیّت سے نہیں نکلے تھے۔ صرف قربانی کے اونٹ ساتھ تھے۔ اور تلوار کے سوا کوئی اسلحہ کسی مسلمان کے پاس نہیں تھا۔ اور تلوار ایک ایسا ہتھیار تھا، جسے عرب کسی حالت میں اپنے جسم سے الگ نہیں کرتے تھے۔ مکہ معظمہ زمانۂ جاہلیت میں بھی "بلدالامین" تھا۔ اور عرب کے بین القبائلی قانون کے مطابق بد ترین مجرم کو بھی زیارت سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا اور زمانۂ حج میں حرم کے حدود میں کشت وخون کا امکان نہیں تھا۔

جب سرکارِ رسالتؐ مکہ معظمہ کے قریب پہنچے۔ تو حضورؐ کو معلوم ہوا کہ کفارِ مکّہ جنگ پر آمادہ ہیں۔ اور وُہ مسلمانوں کو فریضۂ حج سے مستفید ہونے نہیں دیں گے۔ اس پر مسلمان سخت پریشان اور برافروختہ ہو گئے، مگر پیغمبرِ امن نے حدیبیہ نامی ایک کنوئیں پر قیام فرمایا اور ایک قاصد روانہ کیا۔ قاصد نے سرکارِ رسالتؐ کی طرف سے بیان کیا کہ ہم لوگ طوافِ کعبہ، زیارتِ بیت اللہ اور قربانی کے لئے آتے ہیں۔ ہم لڑنے کے لئے نہیں آتے۔ اس لئے زیارتِ کعبہ میں رکاوٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر قریش نے انکار کر دیا۔ حالانکہ قریش کے دوست حلیس بن علقمہ کنانی نے جو قبائلِ احابیش کا سردار تھا۔ انہیں سمجھایا کہ زیارت کی اجازت دینا چاہیئے۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ بلکہ قریش کے چند سرپھرے نوجوان آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کے لئے آ گئے۔ جنہیں گرفتار کر کے سرکارِ رسالتؐ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس اقدام سے درگزر فرمایا۔ اور انہیں رہا کر دیا۔

اس کے بعد قاصدوں کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے آیا۔ کہ وُہ واپس چلے جائیں ورنہ قریش کثیر فوج کے ساتھ جنگ کے لئے آمادہ ہیں۔ اور انہیں آج ختم کر دیں گے۔ مگر حضورؐ نے جواب دیا کہ ہمارا مقصد فساد نہیں۔ ہم صرف فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں عروہ کا ہاتھ جنابِ رسالت مآبؐ کی داڑھی کو لگ گیا۔ ایک صحابی نے عروہ کے ہاتھ پر چھڑہ مار کر ہٹایا اور کہا یہ کیا گستاخی ہے؟ اس کے بعد عروہ واپس چلا گیا مگر وُہ بے حد متاثر ہو گیا۔ اس نے کفّارِ قریش سے جا کر کہا:-

"میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے دل میں محمدؐ کی جو عزت و عظمت ہے، میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ کسی کی جرأت نہیں کہ آپ کی طرف اونچی نظر کر کے دیکھے جب

وُہ بات کرتے ہیں تو مسلمانوں پر ایک خاموشی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے، اسے ہاتھوں پر لیتے ہیں۔ اور اپنے منہ پر مَلتے ہیں۔ اس لئے میری رائے میں انہیں حج کی اجازت مِلنا چاہیئے۔"

مگر قریش نے اس کی رائے مسترد کر دی اور اجازت نہ دی۔ عروہ کی واپسی کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا کہ تم قریش سے جا کر کہو کہ رسول اللہ تم سے لڑنے نہیں آئے، بلکہ صرف حج کے ارادے سے آئے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ قریش میرے دشمن ہیں۔ اور وہاں میرا کوئی حامی و مددگار نہیں، البتہ آپ اگر حضرت عثمانؓ کو بھیج دیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ قریش انہیں عزیز رکھتے ہیں۔[1]

پس حضرت عثمانؓ کو شرفائے قریش کے پاس روانہ کیا گیا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کی بڑی خاطر داری کی، کیونکہ آپ ابوسفیان کے رشتہ کے بھتیجے تھے اور بنوامیّہ ہی سے تھے۔ اور کہا اے عثمان! اگر تیرا ارادہ حج کرنے کا ہے۔ تو بیشک طواف کر جا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ میں رسول اللہ کے بغیر کس طرح طواف کروں۔ قریش نے خفا ہو کر ان کو گرفتار کر لیا۔

بیعتِ رضوان

اس موقعہ پر تمام صحابہ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع ہو کر اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنی جان دے دیں گے۔ کفار کو مار دیں گے اور خود مر جائیں گے۔ مگر اس مقام سے ہرگز نہیں ٹلیں گے۔ اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہتے ہیں، جابر نے کہا ہے کہ یہ بیعت ہم نے اس لئے کی تھی کہ بھاگیں گے نہیں۔

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر۔ روضۃ الاحباب۔ حبیب السیر۔

اور کبھی لڑائی سے منہ نہیں موڑیں گے، یہ بیعت کرنے والے "اصحابِ شجرہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض مؤرخین نے اِن کی تعداد چودہ سو اور بعض نے پندرہ سو پچیس لکھی ہے۔ [۱]

الغرض جب صحابہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے تو قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کی غرض سے سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اور حضرت عثمان کو رہا کر کے سہیل کے ساتھ بھیج دیا۔ رسولؐ اللہ نے قریشِ مکّہ کا یہ جارحانہ اقدام دیکھ کر صلح کی عرض داشت کو شرفِ قبولیّت نہ بخشا۔ بڑی دقت کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کی شرائط حسب ذیل تھیں۔

شرائط صلح

۱۔ رسولؐ اللہ اس سال مع اپنی جماعت کے بغیر حج کئے واپس جائیں۔
۲۔ دس سال تک آپس میں جنگ نہ ہو۔
۳۔ اگر کوئی مکّہ والوں میں سے جا کر مسلمانوں میں شامل ہو جائے۔ تو مسلمانوں کا یہ فرض ہو گا۔ کہ وُہ اسے واپس کر دیں۔
۴۔ اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مشرکین کے پاس آ جائے۔ تو وُہ واپس نہیں کیا جائے گا۔
۵۔ عرب کے تمام قبیلوں کو اختیار ہے۔ کہ وُہ محمد رسولؐ اللہ کے ساتھ معاہدہ کر لیں یا کفّار مکہ کے ساتھ ہو جائیں۔
۶۔ سال آئندہ مسلمانوں کو مکّہ کی زیارت کا حق ہو گا۔ لیکن وُہ وہاں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کر سکیں گے۔
۷۔ مسلمان اپنے سفری اسلحہ کے ساتھ آ سکتے ہیں۔ یعنی تلواروں کو غلاف میں رکھ کر۔

---

[۱] تاریخ کامل ابن اثیر۔ طبری۔ حبیب السیر۔

حضرت عمر کا رسولؐ اللہ سے مکالمہ

حضرت عمر اس معاہدہ پر بہت بگڑے۔ چنانچہ حضرت عمر خود بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت رسولؐ اللہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ کیا آپ اللہ کے سچّے نبی نہیں ہیں؟ حضرت نے فرمایا۔ ہاں میں سچّا نبی ہوں۔ پھر میں نے کہا۔ کیا ہم مسلمان حق پر نہیں ہیں؟ اور ہمارے دشمن جھوٹ پر۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں اسی طرح ہے۔ پھر میں نے کہا۔ ہم اپنے دین کی اتنی کمزوری کیوں دکھلا رہے ہیں (یعنی اتنے لشکر کے ہوتے ہوئے کفّار سے صلح کیوں کر رہے ہیں؟) رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ [۱]

حضرت عمر کہتے ہیں۔ کہ اس دن میرے دل میں بہت بڑا خدشہ پیدا ہُوا۔ میں نے بار بار نبیؐ سے دریافت کیا اور اس قدر تکرار کی کہ اس سے پہلے کبھی میں نے رسولؐ اللہ سے اس طرح تکرار نہیں کی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر بھی حضرت عمر کی تسلّی نہ ہوئی اور صبر نہ ہو سکا۔ غیظ و غضب میں بھرے ہُوتے حضرت ابو بکر کے پاس پہنچے اور یہی کہا۔ کیا یہ نبیؐ، اللہ کے سچّے نبیؐ نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا، کہ نہیں! سچّے نبی ہیں۔ [۲]

حضرت عمر کے الفاظ ہیں۔

مَا شَكَكْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا يَوْمَئِذٍ

اسلام لانے کے بعد سے مجھے کبھی ایسا شک نہیں ہُوا۔ جیسا کہ اس روز۔ (یوم صلح حدیبیہ) [۳]

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۰ باب شرائط الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحروب [۲] فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ [۳] تفسیر در منثور سیوطی جلد ۶ صفحہ ۷۹ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۵۸ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۲ معالم التنزیل بغوی جلد ۴ صفحہ ۲۴ و صفحہ ۲۸۔

رسول اللہ نے حضرت علی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا، کہ تم صلح نامہ تحریر کرو۔ اوّل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط لکھو۔

اس پر سہیل نے کہا۔ ہم یہ نہیں جانتے۔ بسمک اللّٰھم لکھوائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ خیر یونہی لکھ دو۔ جب یہ لکھ چکے تو فرمایا، یا علیؑ! اب لکھو۔ یہ صلح نامہ ہے جو محمد رسولؐ اللہ نے قریش سے کیا۔ سہیل نے کہا۔ کیا خوب! اگر ہم آپؐ کو رسولؐ جانتے تو آپ سے لڑتے ہی کیوں؟ آپ اپنا نام اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے۔ حضرت نے یہ بھی منظور کرلیا۔ [1]

کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام محمدؐ رسول اللہ لکھ چکے تھے۔ سرکارِ رسالتؐ نے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ محو کردو۔ اور محمدؐ بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؑ نے بفرطِ ادب عرض کیا۔ یہ کام مجھ سے کس طرح ہوسکتا ہے۔ کہ وصفِ رسالتؐ کو محو کردوں۔ [2]

حضرت علیؑ کا لفظ رسولؐ اللہ محو کرنے سے انکار بلحاظ ترکِ حکم نہ تھا۔ بلکہ ادب و غایئتِ عشق اور محبتِ رسول پر مبنی تھا۔ اس پر رسولؐ اللہ نے خود محو کردیا۔ اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ [3] رسولؐ اللہ نے یہ بھی فرمایا۔ تم کو بھی ایک زمانہ میں یہی دن پیش آنے والا ہے۔ [4]

چنانچہ جنگِ صفین کے بعد صلح نامہ لکھا گیا۔ کہ یہ عہدنامہ ہے امیرالمومنین علیؑ کا معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ۔ تو معاویہ کی طرف سے عمرو عاص نے کہا۔ کہ لفظ امیرالمومنینؑ محو کردو۔ اور اس کے بدلے علیؑ ابن ابی طالبؑ لکھو۔

---

[1] تاریخ ابوالفدا۔ [2] حبیب السیر تذکرۃ الکرام۔

[3] مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۳۰۳۔

[4] شواہد النبوۃ۔ معارج النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ تاریخ کامل۔ تاریخ خمیس حبیب السیر اور روضۃ الاحباب۔

حضرت علی علیہ السلام نے کہا۔ سچ فرمایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے۔ اور عمرو عاص کے کہنے پر اسے منظور فرمایا۔

الغرض صلح نامہ حدیبیہ کے تحریر ہونے کے بعد ابوسفیان بہت خوش ہوا۔ اور قریش کے مجمع میں کہا۔ اَب ہم نے محمدؐ کو دبا لیا۔ عنقریب ہم ان کی طاقت کو ختم کردیں گے۔ لیکن اس کی یہ مراد پوری نہ ہوئی۔

قریش مکّہ سے یہ صلح نامہ طے ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے اَپنے اصحاب کو قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت عمر کے اظہارِ شک کی وجہ سے اور لوگوں میں کچھ بددلی پیدا ہوگئی۔ اس لئے لوگوں نے آنحضرت کے حکم کی تعمیل کرنے میں کچھ دیر کی۔ اور پہلو تہی کی۔ آنحضرتؐ ناراض ہوکر ام المومنین ام سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اور ان سے مسلمانوں کی اس حرکت کے متعلق شکایت فرمائی۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ آپ باہر تشریف لے جاکر خود قربانی فرمائیں اور سرِ اقدس منڈوالیں۔ پھر یہ سب حضورؐ کے اتباع و پیروی میں قربانی بھی کرلیں گے۔ اور سر بھی منڈوالیں گے۔ [1]

صلح حدیبیہ کے نتائج

رسولؐ امین نے صلح نامہ حدیبیہ میں ایسی شرائط پر جو بعض رسالت کی معرفت نہ رکھنے والے مسلمان پر شاق گزری تھیں۔ اس لئے بھی صلح فرمائی تھی۔ تاکہ امن کے علمبردار رسول پر جارحانہ حملہ کا الزام عائد نہ ہو۔ جن لوگوں نے اس صلح نامہ پر بددلی کا اظہار کیا تھا۔ انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ اس صلح نامہ کی شرائط میں سیاست ربانیہ کے کیا کیا مصالح مضمر ہیں۔ اس کے نتائج قابلِ غور ہیں:

۱۔ ۶ھ تک سرکارِ رسالتؐ عرب قبائل اور ان کے حلیف، یہودیوں سے برسرِ پیکار تھے، اس لئے عام غیر مسلموں کو امن کی فضا میں رسولؐ اللہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۵۔

کی بات سُننے اور ان کی مصلحانہ شخصیّت کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اس لئے اسلام کی اشاعت وسیع پیمانہ پر نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ اسلام روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ مثلاً بدر میں مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی تو اُحد میں سات سو ہو گئی۔ جنگِ خندق میں ترقی کر کے یہی تعداد تین ہزار تک جا پہنچی۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام نہایت وسعت سے پھیل گیا۔ اور یہ امن کی اسی سازگار فضا کا نتیجہ تھا۔ جو ایسی شرائط سے جسے عوام کمزور شرائط کہتے تھے۔ پیدا ہوئی تھی۔

۲۔ اکثر قبائلِ کفارِ مکّہ کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے مسلمانوں سے دُور رہتے تھے۔ اب اس معاہدہ کی رُو سے انہیں چھٹی مل گئی۔ اور وہ آزاد تھے کہ کفّارِ مکّہ سے معاہدہ کریں۔ یا مسلمانوں سے۔ رسول اللہؐ اس معاہدہ کے بعد بھی بنفسِ نفیس ان کے پاس گئے۔ بہت سوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور بہت سوں نے آپ سے دوستانہ معاہدے کر لیے۔

۳۔ جو مسلمان مشرکین کے پاس چلے جاتے تھے، اور انہیں چوتھی شرط کے مطابق واپس نہیں کیا جاتا تھا۔ وُہ وہاں اپنی زبان سے اور اپنے عادات و اخلاق سے مستقل طور پر نشر و اشاعتِ اسلام کا ذریعہ تھے۔

۴۔ جو مکّہ والے چند روز مسلمانوں میں رہ کر واپس ہوتے تھے وُہ مسلمانوں کے حُسنِ سلوک اور اوضاع و اطوار کو بیان کر کے تبلیغ کے فریضہ کو انجام دیتے تھے۔

۵۔ جو وقت قریش کے ساتھ لڑائیوں کی تیاریوں میں صرف ہوتا تھا۔ وُہ محض تبلیغ اسلام میں صرف ہونے لگا۔

یہ اس صلح نامہ کا نتیجہ تھا۔ کہ ڈیڑھ سال کے بعد جب سرکارِ رسالتؐ

عازمِ مکّہ ہوتے۔ تو دس ہزار مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔

ان نتائج کی وجہ سے بعض مؤرخین نے صلح نامہ حدیبیہ کو رسول اللہؐ کی دُور بینی، معاملہ فہمی، سیاسی تدبّر اور فراست کا شاہکار کہا ہے اور قرآن حکیم نے اسے "فتح مبین" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

خالد بن ولید اور عمرو عاص کا اظہارِ اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد خالد بن ولید اور عمرو بن العاص انہوں نے بھی اظہارِ اسلام کر دیا۔

عمرۃ الصلح

دوسرے سال رسول اللہؐ معاہدہ کے مطابق حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مشرکین حقیقتاً اپنے جذبۂ عناد سے مجبور تھے، وُہ واقعی سرکارِ رسالتؐ اور ان کے متبعین مسلمانوں کو بیت اللہ کے پاس اپنے طریق سے باطمینان عبادت کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے تین دنوں کے لئے انہوں نے شہر خالی کر دیا۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوتے۔ ولیم میور لکھتا ہے:

"وہ منظر عجیب و غریب تھا۔ جو اس وقت وادیٔ مکّہ میں نظر آرہا تھا ایسا منظر جو دنیا کی تاریخ میں آپ اپنی نظیر ہے۔ قدیم شہر تین روز کے لئے اپنے تمام باشندوں سے خالی ہو گیا ہے۔ جن میں بلند و پست سب ہی شامل ہیں۔ ایک ایک مکان ویران ہے، اور جب وہ جا رہے ہیں۔ تو وہ نئے لوگ جو مدتوں سے جلاوطنی میں دن گذار رہے تھے۔ خوشی خوشی اپنے بچپن کے خالی مکانوں کی طرف دوستوں کے ساتھ لمبے لمبے قدم بڑھاتے ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور تھوڑے سے معین وقت کے اندر ہی عمرہ بھی بجا لا رہے ہیں۔ شہر کے بیرونی باشندے بلندیوں پر چڑھ کر نو واردوں کی آمد و رفت کو دیکھ رہے ہیں۔ جو رسول اللہؐ کی

قیادت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے ہیں۔"

گیارھواں باب

حکمرانوں کو دعوتِ اسلام

سنہ مطابق ۶۲۸ء

سرکارِ رسالت محمد مصطفٰے ارواحنا وارواح العالمین لہ الفدا محض خطۂ عرب کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ اس مصلح اعظم کی غرضِ بعثت تمام عالم کی اصلاح تھی۔ اس وقت ساری دنیا کی حالت ایک مصلح کی ضرورت کا اعلان کر رہی تھی۔ آپؐ ساری دنیا میں توحید، اخوتِ انسانیہ اور مساوات کا پیغام پہنچانا چاہتے تھے اور ان برائیوں کو جو اس زمانہ میں تباہی و بربادی کا سبب تھیں دُور کر کے انسانیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے متمنی تھے۔ قرآن حکیم صاف الفاظ میں اعلان کر رہا تھا۔ کہ حضورؐ کسی خاص سرزمین کے لئے نہیں۔ بلکہ تمام دُنیا کے لئے نبیؐ اور رسولؐ ہیں۔ کسی خاص زمانے کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہدایتِ عالم کے کفیل ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول، مبعوث ہونے والا نہیں۔ بلکہ آپ خاتم الانبیاء والرسلؐ ہیں۔ اس حقیقت پر قرآن حکیم کے اعلانات ان کھلے الفاظ میں روشنی ڈال رہے تھے!

۱۔ تبارک الذی نزل الفرقان علٰی عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیراً ○

"وہ ذات پاک بابرکت ہے۔ جس نے اپنے بندہ پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی۔ تاکہ وُہ تمام عالمین کے لئے نذیر ہو۔"

۲۔ وَمَا ارسلنٰک اِلّا رحمۃ للعٰلمین ○

"(اے حبیبؐ) ہم نے تجھے نہیں بھیجا۔ مگر اس لئے کہ تو عالمین کے لئے رحمت ہو۔"

۳۔ وَمَا ارسلنٰک اِلّا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً ○

"(اے حبیبؐ) ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سُنانے والا اور عذابِ خدا سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

۴۔ قل یایّھا النّاس انی رسول اللّٰہِ الیکم جمیعاً ○

"(اے حبیبؐ) کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کے لئے رسُول ہوں۔"

اسی لئے حضورؐ نے اسلام کو "دنیا کے واحد مذہب" کی حیثیت سے پیش کیا تھا اور جبکہ رسول اللہؐ کے یک جدی قریش پورے طور پر مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ آپ کی دعوت پر کئی غیر عرب افراد نے لبیک کہا۔ چنانچہ حضرت سلمان جو ایران کے رہنے والے تھے۔ حضرت صہیب رومی۔ حضرت بلال حبشی اور حضرت عدس نینوائی مسلمان ہو چکے تھے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے کفارِ عرب کی فتنہ انگیزیوں نے فضا کو مکدّر بنا رکھا تھا۔ اس لئے ایسا موقعہ نہیں آیا کہ مصلح اعظم اطمینان سے دُنیا کے حکمرانوں تک اپنا پیغام بھیج سکے۔ صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ۶ھ تک عرب کا اکثر حصّہ حلقۂ اسلام میں آچکا تھا۔ اس لئے رسول اللہؐ نے فیصلہ کیا کہ

ان تمام حکمرانوں کو جن کے مقبوضات عرب سے ملحق تھے۔ دعوتِ اسلام دیں۔ یہ دعوت ان حکمرانوں کو انفرادی طور پر نہیں، بلکہ ان کی وساطت سے ان کی رعایا کے لئے بھی تھی۔ جن کے وُہ نمائندہ اور حکمران تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ نے جن حکمرانوں کے پاس اپنے قاصد بھیجے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱ - کسریٰ ایران —— ایران اس زمانہ میں مہذّب دُنیا میں ایک منظم حکومت تھی۔ شاہ ایران اس زمانہ میں "کسریٰ" یا "خسرو" کے لقب سے مشہور تھا۔ ایران پر ساسانی خاندان کی حکومت تھی۔ اور بعض عرب سے ملحقہ ریاستیں اس سلطنت کی باج گزار تھیں۔ حضرتؐ نے عبداللہ بن جذامہ کو خط دے کر اس زمانہ کے تاجدار خسرو پرویز کے دربار میں بھیجا۔ رسولؐ اللہ کا قاصد مدائن پہنچا۔ اور حضورؐ کا دعوت نامہ دیا۔ خسرو پرویز نے غصّہ میں آکر حضورؐ کے خط کو پھاڑ ڈالا۔ اور یمن کے حکمران باذن کو جو ایران کا باج گزار تھا۔ خط لکھا۔ کہ حجاز کے اس مدعی رسالت کو گرفتار کر کے ہمارے دربار میں بھیج دو۔ آنحضرتؐ نے جب یہ خبر سُنی تو فرمایا۔ اس نے میرے دعوت نامہ کو نہیں پھاڑا۔ بلکہ اپنے فرمان سلطنت کو چاک کر دیا ہے۔ عنقریب اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ اور وہاں اسلام کا بول بالا ہو گا۔

یمن کے باج گزار حاکم باذن نے اپنے دو سرداروں کے ماتحت فوج کا ایک دستہ مدینہ بھیجا۔ ان لوگوں نے رسولؐ اللہ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر اللہ کا رسولؐ کسریٰ کے دربار میں نہیں جائے گا۔ تو خسرو پرویز مدینہ پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دے گا۔ حضورؐ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

تم مجھ کو اس کے پاس کیا لے جاؤ گے۔ وُہ تو شب گذشتہ قتل ہو چکا ہے۔ وُہ لوگ واپس ہوئے۔ جب یمن پہنچے۔ تو انہیں معلوم ہوا۔ کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔ اس پر یمن کا حکمران بہت متاثر ہُوا۔ اور اس نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ سرکارِ رسالتؐ کی تعلیمات اور حضورؐ کے اخلاق و کردار کا اس پر اس قدر اثر ہُوا۔ کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

۲ - قیصر روم ۔ مشرقی سلطنت روما کا عیسائی تاجدار ہرقل تھا۔ حضرت وحیہ کلبی سرکارِ رسالتؐ کا خط لے کر اس کے پاس حمص پہنچے۔ اگرچہ وُہ اسلام لانے کی سعادت سے محروم رہا۔ مگر اس نے حضورؐ کے ایلچی سے نہایت اچھا برتاؤ کیا۔ مشرقی رومی سلطنت اس زمانہ کی بہت بڑی طاقت ور سلطنت تھی۔

۳ - حبش کا بادشاہ ۔ جس کا لقب "نجاشی" اور نام اصحم بن الجبر تھا۔ ایک سمجھ دار عیسائی بادشاہ تھا۔ اس نے مسلمانوں سے جو ہجرت کر کے اس کے ملک میں گئے تھے اچھا برتاؤ کیا تھا۔ حبش کی حکومت مشرقی رومی سلطنت کی باج گزار تھی۔ رسولؐ اللہ نے عمرو بن امیہ الضمری کو حبش کے دربار میں بھیجا۔ نجاشی حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ کی تقریر سے متاثر ہو کر پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ اب رسولؐ اللہ کے قاصد کی دلجوئی کی۔ اور اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے انتقال پر رسولؐ اللہ نے مدینہ میں اس کے لئے دعائے خیر کی۔

۴ - بحرین ۔ بحرین پر منذر بن ساوی حکمران تھا۔ اور اس کی ریاست ایران کے زیر اثر تھی۔ علاء بن الحضرمی اس کے پاس دعوت نامہ لے کے پہنچے۔ اس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اور اس کی رعایا کا اکثر حصّہ مسلمان ہو گیا۔ جو لوگ مسلمان نہ ہوئے ان پر ٹیکس عائد کیا گیا

جو جزیہ کہلاتا ہے۔ یہ ٹیکس اس لئے تھا۔ کہ اُن سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی تھی۔ اور اُن کی جان، ان کے مال اور ان کی عزّت و آبرو کی حفاظت کی جاتی تھی۔ یہ ٹیکس ان کی حفاظت اور ان کی فوجی خدمات سے سبکدوشی کا معاوضہ تھا۔

۵۔ **عمان**۔ عمان میں جلندری کے بیٹے جیفر اور عبد، دونوں بھائی حکمران تھے۔ رسولؐ کا دعوت نامہ عمرو عاص لے کر پہنچا۔ اس خط سے متاثر ہوکر دونوں بھائیوں نے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ اور ان کے اثر سے ان کی اکثر رعایا مسلمان ہو گئی۔

۶۔ **مصر**۔ مصر کا عیسائی تاجدار مقوقس کہلاتا تھا۔ اس زمانہ میں مقوقس جریج بن متی تھا۔ حاطب بن ابی بلیعہ اس کے دربار میں سفیر ہو گئے۔ اگرچہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مگر مصلح بنی آدم حضرت محمدؐ مصطفٰے کی تعلیمات کو سُن کر آپ کو دُعائے خیر سے یاد کیا۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے۔ جن میں چند کنیزیں بھی تھیں۔ اِن میں سے ایک کنیز ماریہ قبطیہ تھیں۔ جن سے رسولُ اللہ نے عقد فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ رسولُ اللہ کے فرزند امّ المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ اِن تحائف میں دلدل نامی ایک خچر بھی تھا۔ جو سرکارِ رسالتؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو عطا فرمایا۔ مصر کی حکومت اس وقت مشرقی رومی سلطنت کے ماتحت تھی۔

۷۔ **یمامہ**۔ یمامہ کا عیسائی حکمران ہوزہ بن علی تھا۔ اس کے پاس سلیط بن عمرو سرکارِ رسالتؐ کا دعوت نامہ لے کر گئے۔ اس نے اس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا۔ کہ عالم اسلام پر اس کی نصف حکومت کو تسلیم کر لیا جائے۔ چونکہ اس شرط میں حکومت کا لالچ شامل تھا۔ اور رسولُ اللہ اسلام کی حقانیت کو بغیر لالچ اور طمع کے تسلیم کرانا چاہتے

تھے۔ اس لئے اس شرط کو مسترد کر دیا گیا۔

۸۔ **حدودِ شام**۔ منذر بن حارث قیصرِ روم کی طرف سے حدودِ شام پر حکمران تھا۔ شجاع بن وہب اسدی حضورؐ کا دعوت نامہ لے کر پہنچے۔ پہلے تو اس نے غصّہ میں آکر مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی مگر بعد میں حضورؐ کے قاصد کو عزّت و احترام سے رخصت کیا۔ مگر مسلمان نہ ہوا۔

۹۔ **حاکمِ بُصریٰ**۔ سرحدِ شام پر مدینہ کے شمال میں بُصریٰ ایک اہم مقام تھا۔ وہاں کا سردار شراجیل غسانی تھا۔ سرکارِ رسالتؐ نے حارث بن عمر کو اس کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ اس نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی اور موتہ کے مقام پر انہیں شہید کروا دیا۔ رسولُ اللہ کا وہ دعوت نامہ جو حضورؐ نے مقوقس مصر کو لکھا تھا۔ اب تک مصر کے شاہی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اور جو دعوت نامہ ہرقل کو لکھا تھا۔ وہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۶ھ اور ۷ھ کے شروع میں —— غساقی اور ثمامہ بن اثال حاکم نجد مسلمان ہو گئے۔

ان دعوت ناموں کی ترسیل سے اسلام کی بیرونی ممالک میں نشر و اشاعت شروع ہو گئی۔

بارھواں باب

مُسلمانوں اَور یہوُدیوں کے تعلقات

فتح خیبر ۷ھ ، ۶۲۸ء

علیؑ فاتح خیبر و معمارِ سلطنت اسلامیہ

حجاز میں یہودیوں کی پوزیشن یہودی شام اور فلسطین پر حکمران تھے۔ مگر دُوسری صدی عیسوی میں رُومیوں نے اس صیہونی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ یہودی مجبور ہو کر شام کی سرحد سے نکل کر حجاز میں آ گئے اور وسط حجاز تک آباد ہو گئے۔ مدینہ سے لے کر شام کی سرحد تک وُہ آباد تھے۔ اور انہوں نے اپنے قلعے تیار کر لئے تھے۔ یہ قلعے ان کی فوجی چھاؤنیاں بھی تھیں۔ اور ان کی تجارت کی منڈیاں بھی تھیں۔

مدینہ میں ان کے تین قبیلے آباد تھے، بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ یہ قبیلے نہایت مقتدر تھے، مدینہ کے رہنے والے بنی اوس اور بنی خزرج زراعت پیشہ تھے۔ ان کے مقابلہ میں یہودی بے حد متمول اور متمدن تھے۔ تجارت پیشہ کاروباری بھی تھے، اور سود خور بھی تھے۔ یہ لوگ مدینہ کے معاشی وسائل پر قابض تھے۔ بنی اوس و خزرج ان کے مقروض تھے، معاشی خوشحالی کی وجہ سے یہودیوں کی تعلیمی حالت بھی

دُوسرے لوگوں سے بہتر تھی۔

خیبر، فدک، تیما اور وادی القریٰ میں یہودیوں کی بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں اور دفاعی قلعے تھے۔ اس لئے انہیں حجاز میں عسکری اقتدار حاصل تھا اور تجارت کے لحاظ سے انہیں معاشی اقتدار بھی حاصل ہو چکا تھا۔ خیبر، فدک اور تیما کی زمینیں نہایت حاصل خیز تھیں۔ یہودیوں کے تموّل نے وہاں آب رسانی کے ذرائع مہیّا کر لئے تھے اس لئے وُہ اور زیادہ زرخیز ہو گئی تھیں۔

قدیم زمانے میں یہودیوں کی کثرت مال نے جس طرح سپین اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہود کو وہاں کے ملکی نظم و نسق کا ایک خوفناک جزو بنا دیا تھا۔ اسی طرح عرب میں بھی وہ خوفناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر سارے عرب پر صیہونی حکومت کے منصُوبے بنا رہے تھے۔

سرکارِ رسالت محمدؐ مصطفٰے کو ہجرت کے بعد قیام مدینہ میں یہودیوں سے واسطہ پڑا۔ ابتدا میں یہود نے یہ خیال کر کے کہ سرکارِ رسالتؐ حضرت موسیٰؑ کے احترام کی تلقین فرماتے ہیں۔ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں حضورؐ سے تعاون کیا۔ اور ان کا خیال تھا کہ اس تعاون سے ان کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہو جاتے گا۔ آنحضرتؐ نے یہود سے معاہدہ کیا۔ جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے آنحضرتؐ کو اپنا حکم قرار دے کر ہر معاملہ میں اِن کے فیصلہ کو ماننے کا عہد کیا۔ اور دفاع شہر کے وقت مسلمانوں کی اعانت کا اقرار کیا۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ مُسلمانوں کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھیں گے۔ اگر یہودی اس معاہدے پر قائم رہتے تو ان کے لئے بہتر اور نہایت مفید تھا۔ مگر انہوں نے شرارتیں شروع کر دیں۔ اِن کے اس تغیّر کے اسباب یہ تھے۔

۱ - قبول اسلام کے بعد اہالیانِ مدینہ کی اصلاح کا کام سرکارِ رسالتؐ نے شروع فرمایا - ان کی عادتیں سدھرنے لگیں - ان کی فضول خرچی میں کمی ہوئی وہ قرضوں سے سبکدوش ہونے لگے - ان کی معاشی حالت میں بہتر ین انقلاب رو نما ہوا - ان حالات سے یہودیوں کے سُود کی آمدنی میں کمی ہوئی اِن کی اقتصادی گرفت ڈھیلی ہوگئی - اس لئے وُہ اسلام کی مخالفت کرنے لگے -

۲ - سرکارِ رسالتؐ نے شریعت موسوی کی صحیح تصویر پیش کرکے ایسے عقائد فاسد کو جو بعد میں دین موسوی میں شامل ہو گئے تھے - خارج کرنا چاہا اس لئے یہودی حضورؐ کے سخت مخالف ہو گئے -

۳ - سرکارِ رسالتؐ نے یہودیوں کی زبوں کاریوں کی اصلاح شروع کی - ان کو فسق و فجور سے روکا ، اور صالحانہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی - اس لئے وہ مخالف ہو گئے -

۴ - یہودیوں کو اسلام کے اصول سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف نظر آئے یہ امر بھی اِن کی مخالفت کا سبب ہُوا -

اِن وجُود سے یہودی اسلام کے دشمن بن گئے - اور منافقوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سکیمیں بنانے لگے - یہ حالت آنحضرتؐ کے لئے تشویش کا باعث ہُوئی - اس پر اللہ تعالٰے نے اپنے حبیبؐ کی تسلّی کے لئے یہ آیۂ مبارکہ نازل فرمائی -

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۱۱۰ - ۱۱۱ پ ۴ ع ۲)

" اگر اہلِ کتاب (یہودی) بھی ایمان لاتے - تو ان کے لئے بہت اچھا ہوتا - ان

میں کچھ تو مومن ہیں اور بہت سے نافرمان ہیں - سوائے ایذا پہنچانے کے وہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے - اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دکھلائیں گے - یعنی بھاگیں گے اور پھر ان کی مدد نہیں کی جاتے گی "۔

قرآن مجید کے اس بیان سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے -

اوّل — اگر یہودی ایمان لے آتے تو ان کے لئے اچھا تھا -

دوم — تا نزول آیہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی - جیسا کہ " اگر تم سے لڑیں گے " کے الفاظ سے ظاہر ہے -

سوم — قرآن مجید نے پیشین گوئی فرمائی کہ یہودی مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھائیں گے - پیٹھ دکھلا کر بھاگیں گے - اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں فتح ہوگی -

بنی قینقاع کا اخراج

باوجودیکہ سرکارِ رسالتؐ نے یہودیوں کو مدینہ میں پوری آزادی بھی دی اور مسلمانوں کے برابر حقوق بھی دیتے تھے - مگر وُہ مدینہ میں برابر ایسی شرارتیں کر رہے تھے ، جو شرافت کے منافی تھیں - چنانچہ ایک روز ایک مسلمان عورت بازار میں سے گزر رہی تھی - ایک یہودی نے اس سے نازیبا مزاح کیا - ایک انصاری ، یہودی کی اس قبیح حرکت کو برداشت نہ کر سکا - اس نے غیرت انسانی اور حمیت اسلامی کے جوش میں اس یہودی کو اسی وقت قتل کر دیا - بازار یہودیوں کا تھا - انہوں نے حملہ کرکے اس مسلمان کو شہید کر دیا - سرکارِ رسالتؐ کو جب اطلاع ہوئی تو حضورؐ فوراً موقعہ پر پہنچے - اور آپ نے صدر مملکت کی حیثیت سے مدینہ کے قانون کے مطابق تصفیہ کی کوشش فرمائی - مگر یہود نے پرواہ نہ کی - بلکہ اکڑ کر کہا - ہم قریش نہیں - اگر جھگڑا ہُوا - تو بتلا دیں گے - کہ لڑائی کسے کہتے ہیں ؟ اس کے بعد نقض عہد کرکے ایک طرح سے اعلانِ جنگ کر دیا - چنانچہ مسلمان

بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ یہودی اپنی کمزوری کو محسوس کر کے "آطام" میں قلعہ بند ہو گئے۔ مدینہ میں یہودیوں کے چھوٹے چھوٹے قلعے تھے۔ ان کے مجموعہ کو وہ "آطام" کہتے تھے۔ مسلمانوں نے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس پر دوسرے یہودی خاموش رہے۔ پندرہ دن محصور رہ کر اس بات پر راضی ہو گئے۔ کہ سرکارِ رسالتؐ صدرِ مملکت مدینہ کی حیثیت سے جو فیصلہ ان کے متعلق فرمائیں گے انہیں منظور ہو گا۔ چنانچہ حضورؐ نے دستور کے مطابق فیصلہ کیا کہ بنی قینقاع مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں اور کوئی شخص ان سے تعرض نہ کرے، اس فیصلہ کے مطابق وہ مدینہ کی سکونت ترک کر کے سرحدِ شام کی طرف چلے گئے۔ اور "اذراعات" کے مقام پر جا بسے۔ بنی قینقاع کے اخراج کا یہ واقعہ ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد پیش آیا۔

کعب بن اشرف کی فتنہ پردازیاں اور اس کا قتل

کعب بن اشرف یہودیوں میں مایۂ فساد تھا۔ شرارت کا پتلا۔ اسلام کا شدید ترین مخالف تھا۔ یہ مذہب کے لحاظ سے یہودی اور نسب کے لحاظ سے عرب تھا۔ اس کا باپ اشرف قبیلۂ طے سے تھا۔ مدینہ کے یہودیوں کے مذہبی پیشوا اور تاجر حجاز ابو رافع نے اشرف کو اپنی بیٹی دے دی۔ اس کے بطن سے کعب بن اشرف پیدا ہوا۔

کعب شاعر بھی تھا۔ اور اپنے اشعار میں اسلام کی مذمت کیا کرتا تھا۔ اس نے مدینہ کے علمائے یہود سے مخالفتِ اسلام کا عہد بھی لے رکھا تھا۔ بدر کی لڑائی کے بعد یہ بدر کے کفار کشتوں کی تعزیت کے لئے آ پہنچا۔ ان مقتولین کفار کی موت پر اس نے مرثیہ لکھا اور اپنے اشعار میں انتقام کے لئے لوگوں کو ابھارا اور ابو سفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقام غزوۂ بدر کا عہد لیا۔ اور رسولؐ اللہ کے قتل کے لئے سازشیں کرنے لگا۔ حضورؐ نے

اہلِ مدینہ کے خلاف اس کی جدوجہد کو مدینہ کی پنچایت کے سامنے بھی پیش کیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اسے قتل کی سزا دی جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ اسی سزا کا مستحق تھا۔ کیونکہ مدینہ کی سلامتی کے خلاف اس کی جدوجہد حد سے بڑھ چکی تھی۔ اس کا قتل ۳ھ میں ہوا۔

قضیۂ بنی نضیر

معاہدہ کے باوجود بنی نضیر قریش سے برابر سازشیں کر رہے تھے۔ قریش نے جنگ بدر سے پہلے بنی نضیر کو لکھا تھا کہ وہ رسولؐ اللہ کو قتل کر دیں۔ مگر بنی نضیر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بنی قینقاع کا مدینہ سے اخراج بھی ان کے جذبۂ عداوت کی آگ بھڑکانے کا سبب ہوا۔ معاہدہ کی رُو سے انہیں غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی مدد کرنا تھا۔ مگر یہ اندرونی طور پر مخالفین کی مدد کرتے رہے۔ رسولؐ اللہ نے غزوۂ اُحد کے بعد بنی نضیر اور بنی قریظہ کو نئے سرے سے معاہدہ کرنے کے لئے کہا۔ بنی قریظہ نے تو معاہدہ کی تجدید کر لی۔ مگر بنی نضیر نے صاف انکار کر دیا۔ ربیع الاوّل ۴ھ مطابق اگست ۶۲۵ء کو رسولؐ اللہ محلہ بنی نضیر میں تشریف لے گئے۔ اور ایک دیوار کے نیچے رسولؐ اللہ چند یہودیوں سے باتیں کر رہے تھے۔ کہ عمر بن حجاش یہودی نے آپؐ کے سر پر ایک بھاری پتھر گرانے کا قصد کیا۔ حضورؐ کو بروقت اطلاع ہو گئی۔ آپؐ اس مقام سے ہٹ گئے۔ اور اس طرح بال بال بچ گئے۔ سرکارِ رسالتؐ ایک مدت تک ان کی ایسی حرکات سے درگذر فرماتے رہے اور یہ حضورؐ کے حلم کا ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔ آخر پانی سر سے گزر گیا۔ اور ان آستین کے سانپوں کا تدارک ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ جب ان کے محلہ کا محاصرہ کیا گیا تو یہ قلعہ بند ہو گئے۔ آخر ان کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہوا۔ کہ یہ مدینہ کو چھوڑ کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ ان کے ساتھ بھی یہ رعایت کی گئی۔ کہ یہ اپنا منقولہ مال ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ بنی نضیر اونٹوں پر سوار ہو کر گاتے بجاتے مدینہ سے نکل گئے اور خیبر کے گرد و نواح

میں آباد ہو گئے ۔

بنی قریظہ کا انجام

یہودیوں میں سے بنی قریظہ ایک ایسا قبیلہ تھا۔ کہ جس سے مسلمانوں کے غزوۂ احزاب تک تعلقات اچھے تھے، مگر غزوۂ خندق میں بنی نضیر نے بنی قریظہ کو بھی مخالفتِ اسلام پر آمادہ کر لیا۔ جب اس جنگ میں مدینہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ تو بنی قریظہ بھی سخت مخالفت پر اُتر آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آطام پر جہاں مسلمان عورتیں تھیں۔ حملہ کر دیا۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے بڑا نازک وقت تھا۔ مدینہ کا محاصرہ سخت ہو گیا تھا۔ منافقین بھی اندرونی خلفشار کا سبب تھے۔ کہ بنی قریظہ نے اس نازک وقت میں مخالفت شروع کر دی۔ جنگ خندق فتح ہوئی۔ اور سرکارِ رسالتؐ مدینہ میں تشریف لائے۔ حضور کا معمول تھا۔ جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے سیّدۂ عالم فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لے جاتے۔ ۲۳ ذی قعد حضورؐ فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف فرما تھے۔ ہتھیار اتار کر بیٹھے تھے۔ اور معصومۂ کونین فاطمہؑ کپڑوں کا گرد و غبار جھاڑ رہی تھیں۔ کہ حضورؐ کو بنی قریظہ کی مہم کا آغاز کرنا پڑا۔ (روضتہ الاحباب)

مسلمانوں نے ملک سے غداری کی سزا دینے کے لئے بنی قریظہ کے محلّہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند دنوں کے بعد یہودیوں نے درخواست کی، کہ ہم حضرت سعد بن معاذ انصاری کو جو ان کے حلیف تھے۔ حکم بناتے ہیں۔ جو فیصلہ وُہ ہمارے حق میں کریں گے۔ ہمیں منظور ہوگا۔ اگر بنی قریظہ سرکارِ رسالتؐ کو حَکم قرار دیتے تو انہیں وہی سزا ملتی۔ جو اس سے قبل دوسرے یہودی قبیلوں کو مل چکی تھی۔ مگر حضرت سعد بن معاذ نے جو بنی قریظہ کی ایسے نازک وقت میں غداریوں سے رنجیدہ خاطر تھے۔ ان کے حق میں توریت کا فیصلہ دیا۔ جس سے وہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔ توریت کا یہ حکم ہے کہ اگر دشمن صلح پر راضی ہو۔ تو اس کا محاصرہ کیا جائے۔ جب وُہ مغلوب ہو جائے تو اس کے تمام مردوں کو قتل کر دیا

جائے۔ اور ان کی عورتوں اور ان کے بچّوں کو اسیر بنا کر ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا جاتے۔ یہود خود اپنے دشمنوں سے یہی سلوک کیا کرتے تھے۔ چونکہ یہی ان کی مذہبی کتاب کا فیصلہ تھا۔ اب نازک ترین صورت حالات میں بنی قریظہ کی غداری اور معاہدہ کی خلاف ورزی پر ان کے اپنے تسلیم کردہ حَکم نے اِن کی اپنی مذہبی کتاب کے مطابق یہ فیصلہ کیا۔ جو انہیں قبول کرنا پڑا۔ چنانچہ ان کے تقریباً چارسو بالغ مرد اس فیصلہ کی رُو سے قتل کئے گئے۔ یہ واقعہ اپریل ۶۲۷ء یعنی ذی الحجہ ۵ھ کا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ اسی جنگِ خندق میں زخمی ہوتے تھے۔ اور انہوں نے یہ فیصلہ اپنے بسترِ علالت پر صادر فرمایا تھا۔ اس فیصلہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

جنگِ خیبر ۷ھ، ۶۲۸ء

خیبر

خیبر عبرانی لفظ ہے اس کا ماخذ (ROU TE) لفظِ خبر ہے۔ جو قلعوں کے معنی میں ہے۔ خیبر مدینے سے جانبِ شمال آٹھ منزل یعنی ۹۲ میل کے فاصلہ پر یہودیوں کا ایک قصبہ تھا۔ جہاں بہت سے قلعے تھے۔ اسی قصبہ کے نام پر اس کے متعلق یہودی نو آبادی کا نام خیبر تھا۔ یہ نو آبادی ایک نخلستان ہے جس کی زمین پیداوار کے لحاظ سے نہایت زرخیز ہے۔ یورپ کا سیاح مسٹر ڈاؤٹی (DIOTE) جس نے ۱۸۷۶ء میں عرب کی سیاحت کی ہے، مہینوں خیبر میں رہا ہے۔ اس نے تحقیق و انکشاف کی نظر سے خیبر کی چھان بین کی ہے۔ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے۔

" نخلستان خیبر کی زمین زرخیز ہے۔ قوم یہود کے یہاں بڑے بڑے مضبوط اور مستحکم قلعے بنے ہوتے تھے۔ ان میں سے چند قلعوں کے آثار اب تک باقی ہیں، اور قائم ہیں۔"

غزوۂ خیبر کے اسباب

(۱) بنی نضیر کے یہودی مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر کے گردو نواح میں آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے گردو نواح کے تمام قبائل کو اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ وہ قریش اور بنی غطفان کو اکسا کر خندق کی لڑائی کا باعث ہوتے اور مدینہ پر حملہ کرا دیا تھا۔ اس لڑائی میں حضرت علیؓ مرتضیٰ کے ہاتھ سے عرب کا مایہ ناز بہادر عمرو بن عبدود مارا گیا۔ مخالفوں کی اس شکست سے کمر ٹوٹ گئی۔

(۲) غزوۂ خندق کے باعث بھی وہ چین سے بیٹھتے نظر نہیں آتے تھے۔ قضیۂ بنی قریظہ ہُوا۔ اور اس میں یہود کا سردار حیّ بن اخطب خود بھی قتل ہو گیا۔ اور اس کا جانشین ابو رافع سلام بن الحقیق جو یہودیوں میں ملک التجار تھا۔ اس نے غطفان اور ارد گرد کے مشرکین عرب کو جنگ پر ترغیب دے کر اور رسول اللہ کے خلاف لڑنے پر بھڑکا کر ایک مجمع کثیر جمع کر لیا تھا۔[۵۷] جب مسلمانوں کو یہودیوں کی ان سازشوں اور مدینہ پر شدید حملہ کا علم ہوا۔ تو عبداللہ بن نہیک انصاری نے ابو رافع کو اس قلعہ کے اندر ہی مار ڈالا۔ یہ واقعہ مدافعانہ احتیاط کے طور پر عمل میں آیا۔

(۳) اس واقعہ کے بعد یہودیوں نے اسیر بن زرام کو اپنا سردار چُنا۔ اس نئے سردار کی شرانگیزی کو علامہ شبلی نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"اسیر نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ میرے پیشروؤں نے حضرت محمدؐ کے خلاف جو تدبیریں کیں وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمدؐ کے دارالریاست پر حملہ کیا جاتے۔ اس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا۔ اور ایک فوج گراں تیار کی۔"

(۴) مدینہ میں منافقین کا سردار یہودیوں سے خط و کتابت کر رہا تھا اور انہیں مدینہ پر حملہ کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔

۵۷ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ٦٦ ۔

(۵) صلح حدیبیہ کے بعد یہودیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ وُہ حدیبیہ کی شرائط کو مسلمانوں کی کمزوری خیال کرتے تھے۔ اور انہوں نے نواح مدینہ میں پہنچ کر مدینہ کی چراگاہوں سے مویشی لوٹنے شروع کر دیتے تھے۔ چنانچہ سرکارِ رسالتؐ کی ایک چراگاہ ذی قرد میں واقع تھی۔ جس میں حضورؐ کی اُونٹنیاں ہمیشہ چرا کرتی تھیں۔ بنی غطفان کے ایک فوجی دستہ نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کی سرکردگی میں حملہ کر دیا۔ حضرت ابوذر غفاری کے فرزند اونٹنیوں کے محافظ تھے، ان کی والدہ بھی ان کے ہمراہ تھی — وہ اِن رہزنوں کے مقابلہ میں آئے تو ان خونخوار وحشیوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اس ریوڑ کی بیس اونٹنیاں بھی لے گئے اور حضرت ابوذر غفاری کی زوجہ کو بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ مسلمانوں کو اطلاع ہوئی۔ انہوں نے حملہ کر کے حضرت ابوذر کی زوجہ کو بھی رہا کرا لیا۔ اور اُونٹنیاں بھی واپس لے آئے۔ یہ جنگِ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے۔ یہ ہیں جنگِ خیبر کے اسباب۔

رسول امین نے عرب میں قیامِ امن کے لئے فتنہ و فساد کے اس مرکز کو ختم کرنے کا تہیہ کیا یہ جنگ بھی حقیقتاً مدافعانہ جنگ تھی۔ جنگِ خیبر کے واقعات بتلا رہے ہیں۔ کہ حضورؐ نے پیش دستی نہیں کی بلکہ دفاع کیا تھا۔ بنی غطفان اور یہود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اُحد اور خندق کے تلخ تجربوں نے بتلا دیا تھا، کہ مدینہ میں دشمنوں کے حملے کس قدر ضرر رساں ہیں۔ سرکارِ رسالتؐ نے دشمن کو قریب آنے کی مہلت دینا نامناسب و خلافِ مصلحت سمجھ لیا تھا۔ ذی قرد کے خونی واقعہ نے یہودیوں کے ارادوں کو نمایاں کر دیا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے دشمن کو یہ موقعہ ہی نہ دیا۔ کہ مدینہ پر چڑھ آتے۔ بلکہ آٹھ منزل آگے بڑھ کر مدافعت فرمائی۔

خیبر کے استحکامات

خیبر میں چھوٹے بڑے چھ قلعے تھے جو تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر یکے بعد دیگرے واقع تھے،

مورّخ یعقوبی نے ان کے نام بتاتے ہیں۔ سالم[1]۔ ناعم[2]۔ النطاۃ[3]۔ قصارہ[4]۔ حرلیطہ[5]۔ القموص[6]۔ القموص سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ اس کا محافظ مرحب نامی پہلوان تھا۔ جو اکیلا ایک ہزار نوجوانوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ یہ یہاں کی فوج کا کمانڈر تھا۔ ابورافع ابن الحقیق کا خاندان جو مدینہ سے جلا وطن ہوکر آیا تھا۔ اسی قلعہ میں آباد تھا۔ یہود دُور بین اور ہوشیار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے حملہ کے پیشِ نظر مدافعت کے انتظامات درُست کر لئے تھے۔ غلّہ، رسد، ضرورت زندگی کو ناعم میں رکھ دیا تھا۔ فوجیں نطاۃ اور القموص کے قلعہ میں جمع کر دی تھیں۔ القموص فوجی مرکز تھا۔ اور باقی قلعوں کو دُوسرے سامانوں کے لئے منتخب کیا تھا۔

خیبر کی طرف مُسلمانوں کی روانگی

سرکارِ رسالت محمّد مصطفٰے صلعم نے چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ کیا۔ اور منزل صہبا پر پہنچ کر قیام فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی، کہ رستے بہت ہی پیچ دار اور ٹیڑھے تھے۔ اور خار دار جھاڑیوں کے گھنے جنگل میں سے گزرتے تھے۔ اور یہ معلوم ہونا دشوار تھا۔ کہ کونسا رستہ صحیح ہے۔ اور سیدھا خیبر پہنچتا ہے۔ یہ بھی ضرورت تھی کہ فوج سہل رستے سے اس قدر جلد خیبر پہنچ جاتے۔ کہ غطفان کے قبائل یہود کے پاس جمع ہونے نہ پائیں۔ اور فوج کو اس طرح متعین کر دیا جائے۔ کہ یہودیوں اور غطفان کے قبیلوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ چنانچہ رہنمائی کے لئے حسیل نامی رہنما اجرت پر ہمراہ لے لیا گیا۔ اسلامی لشکر صہبا سے روانہ ہوا۔ حدی خوان اشعار پڑھ رہے تھے، عامر بن اکوع کے اشعار مسند احمد حنبل میں ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

"جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے۔ جب کبھی وہ کوئی فتنہ بپا کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم اِن سے دبتے نہیں ہیں، اور

اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز ہیں" [1]

ان اشعار سے صاف عیاں ہے کہ یہ جنگ محض خوشنودی خدا کے لئے مدافعانہ تھی، اور فتنہ و فساد مخالفوں نے بپا کیا تھا۔

اِسلامی لشکر اور چھوٹے چھوٹے قلعوں کی فتح

اسلامی لشکر کی تعداد چودہ سو تھی۔ اور کچھ مسلمان عورتیں بھی مجاہدین کی مرہم پٹی اور علاج کے لئے ہمراہ تھیں۔ سب چھوٹے چھوٹے قلعے آہستہ آہستہ فتح ہو گئے صرف قلعہ القموص رہ گیا۔ یہ قلعہ سب قلعوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھا۔[2] یہی وہ آخری قلعہ تھا۔ جس پر یہودیوں کی قسمت کا فیصلہ تھا۔ اور یہی وہ قلعہ تھا۔ جس کے متعلق مُسلمانوں کا عظیم ترین امتحان ہوا۔ قلعہ القموص کی مہم پر بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے۔ قلعہ فتح نہ ہوا۔ مسلمانوں پر مایوسی چھا گئی۔ آخر قلعہ القموص حضرت علیؑ کے ہاتھ سے فتح ہوا۔

قلعۂ القموص پر مسلمانوں کے حملے اور ناکامی

سرکار رسالت مآب نے حضرت ابو بکر کو خیبر کے قلعہ کی طرف لڑائی کے لئے بھیجا۔ وُہ لڑے اور کوشش کی۔ مگر قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ اور ناکام واپس آئے۔ دوسرے دن حضرت عمر کو جنگ کے لئے بھیجا۔ وُہ لڑے اور کوشش کی۔ لیکن فتح نہ ہو سکا۔ اور واپس آئے۔ اس پر جناب رسولِ خدا نے فرمایا۔ قسم بخدا کل میں عَلم ایسے شخص کو دوں گا۔ جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسُول اسے دوست رکھتے ہیں۔ کرّار غیر فرار ہے۔[3]

---

[1] سیرۃ النبیؐ شبلی ص۲۵۳۔ [2] زرقانی جلد ۲ ص۲۶۳۔

[3] سیرت ابن ہشام جلد ۳ ص۳۸۵ و ص۳۸۶۔ تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد ۲ ص۸۳ و ص۸۴۔ تاریخ طبری جلد ۳ ص۹۳۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ ص۵۳۔ تاریخ ابو الفدا جلد ۱ ص۱۴۰۔ روضۃ الاحباب ص۳۸۵۔ کتاب الخصائص امام نسائی۔ (بقیہ ص۱۱۸ پر)۔

حیدر کرار فاتح خیبر

جناب علی مرتضےٰؑ علم لے کر قلعہ القموص پر حملہ آور ہوتے۔ آپ نے یہودیوں کے بڑے بڑے بہادر قتل کر دیتے۔ جن کے نام حارثؓ، مرحبؓ۔ عنترؓ۔ داؤد بن قابوس۔ ربیع بن الحقیق، مرۃ بن مروان۔ یاسر خیبری، صبیح خیبری ہیں۔ ؎۱

خیبر حضرت علی مرتضیٰؑ کرار غیر فرار کے ہاتھ سے فتح ہوگیا۔ اسی لئے آپ کو فاتح خیبر کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے جو پیشین گوئی کی تھی کہ یہودی اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دکھلا کر بھاگیں گے۔ دو روز تک پوری نہیں ہوئی تھی۔ تیسرے روز مصدق قرآن، علیؑ ابن ابی طالبؑ کے دستِ حق پرست سے پوری ہوئی۔

جب رسالتمآبؐ کو خیبر کے فتح کی۔ یہ کیفیت معلوم ہوئی، آپؐ نہایت مسرور ہوتے اور جب حضرت علیؑ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ تو آپؐ نے خیمہ سے نکل کر ان کا استقبال کیا۔ اور جب قریب آتے تو ان سے بغلگیر ہوتے۔ اور حضرت علیؑ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا تمہاری سعی مشکور ہوئی اور اے علیؑ! میں تم سے رضامند ہوا۔ یہ سن کر حضرت علیؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا یا علیؑ یہ گریۂ مسرت ہے یا گریۂ اندوہ وحسرت۔ عرض کیا۔ گریۂ مسرت ہے۔ اور میں کیونکر مسرور نہ ہوں۔ جب اللہ کا رسولؐ مجھ سے راضی ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے

(بقیہ ص۱۱۷ سے آگے)۔ ص۱۱ و ص۱۴۔ تذکرہ خواص الامہ ص۱۵۔ مستدرک علی الصحیحین الحاکم جلد۳۔ کتاب المغازی ریاض النضرہ جلد ۲ باب ۴ فصل ۶ ص۱۸۴ بالفاظ مختلفہ مندرجہ بالا کتب میں یہ روایت وارد ہوئی ہے۔

؎۱ نواتح علامہ نیندی ص۲۱۷ ص۲۱۸ ص۲۲۰ ص۱۱۹۔ روضۃ الاحباب ص۳۸۸۔ مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی، سیرۃ النبی۔

علیؑ! میں تنہا تم سے راضی نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی تم سے راضی وخوشنود ہیں۔ ؎۱

غزوہ خیبر کے نتائج

۱۔ یہودی جو عرب میں صیہونی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کے خواب پریشان ہو گئے۔ اور یہودیوں کا عرب پر اقتدار ختم ہوگیا۔ عرب کو یہودی غلامی سے بچانا فاتح خیبر کا کارنامہ ہے۔

۲۔ قیام حکومت، غزوۂ خیبر اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"یہ پہلا غزوہ ہے۔ جس میں غیر مسلم رعایا بناتے گئے۔ اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ خیبر اس قاعدہ کے مطابق اسلام کا پہلا غزوہ ہے۔" ؎۲

اس بیان سے ظاہر ہے کہ اس سے پہلے جس قدر اسلام کو جنگی فتوحات حاصل ہوئیں۔ اِن میں اسلام کو نظامِ حکومت کے قیام کا موقعہ نہ ملا۔ یہ غزوۂ خیبر تھا۔ جس میں مسلمان راعی بنے اور یہود نے اپنا رعایا ہونا تسلیم کیا۔ اس لحاظ سے فاتح خیبر کو اسلامی سلطنت کا معمار کہنا مبالغہ نہیں۔ اگرچہ اس سے قبل فتوحات میں بھی حضرت علیؑ ہی نمایاں نظر آتے ہیں۔

۳۔ توسیع سلطنت۔ یہ غزوہ نہ محض اسلامی سلطنت کے قیام کا سبب ہوا۔ بلکہ توسیع سلطنت اسلامیہ کا باعث ہوا۔ چنانچہ علامہ شبلی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"فتح خیبر کے دبدبہ سے جو علاقے تیما، وادی القریٰ اور فدک مسلمانوں کے ہاتھ آتے۔ وہ بھی نہایت زرخیز تھے۔ ؎۳

؎۱ روضۃ الاحباب ص۳۸۸۔
؎۲ سیرت النبی جلد۱ ص۳۵۲۔ ؎۳ سیرۃ النبی جلد۱ ص۳۶۸۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ فاتح خیبر کا دبدبہ تھا کہ فتح خیبر کے بعد خیبر سے ملحقہ یہودی نوآبادیوں کو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اوران کا الحاق سلطنت اسلامی سے ہوگیا۔

۴۔ معاشی انقلاب۔ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ایسے نازک معاشی دَور سے گزر رہے تھے کہ انہیں سیر ہوکر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے۔ "ہم نے کبھی سیر ہوکر کھانا نہ کھایا۔ مگر فتح خیبر کے بعد" ؎۱

ام المؤمنین بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں۔" جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہم سیر ہوکر کھجوریں کھائیں گے۔"

اگر مسلمان اسی طرح مفلس وقلاش رہتے۔ جیسا کہ فتح سے پہلے تھے۔ تو وُہ رُوما اور ایران جیسی منظم سلطنتوں کو کس طرح فتح کرسکتے تھے۔ منظم سلطنتوں سے مقابلہ کے لئے معاشی ذرائع ضروری ہیں۔ جسے فتح خیبر نے مہیّا کیا۔

اراضی مفتوحہ خیبر

فتح خیبر کے بعد خیبر کی متعلقہ اراضی پر اسلام کا قبضہ ہوگیا۔ مگر یہودیوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی۔کہ ان اراضی کو یہودیوں کے قبضہ میں ہی رہنے دیا جاتے۔ اس شرط پر کہ وُہ ان اراضی کی نصف آمدنی دربارِ رسالتؐ میں پہنچا دیا کریں گے۔ اورنصف اپنے تصرّف میں لائیں گے۔ حضور نے اسے منظور فرمالیا۔

خیبر کا خمس

رسولؐ اللہ نے خمس کی رقم بنی ہاشم اور عبدالمطلبؑ کو عنایت فرمائی۔ اور بنی امیہ اور بنی نوفل کو نہیں دی اور آپ نے فرمایا۔ کہ بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب ایک ہی ہیں۔ ؎۲

؎۱ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ طبع اصح المطابع دہلی۔
؎۲ بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۷۔ روضۃ الاحباب۔

حضرت صفیہ

خیبر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ خیبر کے مالِ غنیمت میں آئیں اور آزادی کے بعد انہیں رسولؐ اللہ کے نکاح میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی

فتح خیبر کے دن ہی حضرت جعفر مدت کے بعد وطن میں واپس آتے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہُوتے۔ حضورؐ نے فرطِ محبّت سے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اورارشاد فرمایا۔" میں نہیں سمجھتا کہ میں اپنی اِن دونوں خوشیوں میں سے کس پر زیادہ اظہارِ مسرّت کروں۔ فتح خیبر پر یا جعفر کے آنے پر"

فدک

جب رسولؐ اللہ نے معاملاتِ خیبر سے فراغت پائی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اہلِ فدک کے قلوب میں ایسا رعب پیدا کردیا، کہ انہوں نے خود نصف حاصل فدک پر مصالحت کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں قاصد بھیجا۔ آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ اور فدک آنحضرتؐ کا خالصہ قرار پایا۔ اس لئے کہ اس کے حصول میں جہاد وجنگ نہیں ہوا تھا۔ اورسوار وپیادہ سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ؎۱

فدک رسالتمآبؐ کا خالصہ قرار پایا۔ اس لئے کہ بغیر لشکر کشی کے حاصل ہُوا تھا۔ ؎۲

جناب رسالتمآبؐ نے فدک اپنی بیٹی سرکارِ عصمت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ہبہ کردیا۔ ؎۳

؎۱ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۹۵۔ ؎۲ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۸۹ مطبوعہ جرمنی
؎۳ معارج النبوۃ تحت ذکر وقائع ۷ھ۔ کنز العمال، درمنثور سیوطی حبیب السیر، روضۃ الصفا۔

تیرھواں باب

مہاجر رسولِ امینؐ کا اپنے شہر مکہ میں پُرامن داخلہ

اللہ کا گھر بتوں سے صاف

طلقاءِ بنی امیّہ کا اسلام

رمضان ۸ھ، جنوری ۶۳۰ء

مکّہ معظّمہ پر فوج کشی کے اسباب

۱۔ تطہیر بیت اللہ۔ بیت اللہ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کی یادگار ہے۔ اللہ کے اس گھر کو انھوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا۔ مگر بُت پرستوں کے برسرِ اقتدار آجانے سے یہ مرکزِ توحید، بُت خانہ ہوگیا تھا۔ جس میں ۳۶۰ بتوں کی پرستش ہورہی تھی۔ اولادِ ابراہیم و اسمٰعیل یعنی رسول اللہ کے آبا و اجداد کا دل اس حالت پر بہت کڑھتا تھا۔ کیونکہ وہ موحد خدا پرست اور حضرت اسمٰعیل کے اوصیا تھے۔ اور امت مسلمہ کے قرآنی نام سے موسوم تھے۔ رسولؐ اللہ کے ابتدائی زمانہ میں بھی اللہ کا گھر مرکزِ شرک رہا۔ یہاں تک کہ برسرِ اقتدار کفّار نے رسولِ امینؐ کو مکّہ سے جلاوطن کردیا۔ اب یہ خانۂ خدا مسلمانوں کا قبلہ بھی قرار پاچکا تھا۔ ان حالات میں اب جبکہ ہزاروں انسان اسلام میں داخل ہوچکے تھے۔ ضروری تھا۔ کہ مکّہ معظّمہ پر قبضہ کرکے بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا جائے۔

۲۔ مہاجرین کی خواہش مراجعت۔ مہاجرین مکّہ کو اپنا وطن چھوڑے ہوتے کامل آٹھ سال گزر چکے تھے۔ اور ان کی دلی خواہش تھی کہ وُہ اپنے وطنِ مالوف میں کامیابی سے واپس جائیں۔

۳۔ مکہ معظمہ کی اہمیّت کا تقاضا۔ عرب کی سرزمین میں مکّہ سینکڑوں برس سے تجارتی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور مذہبی امور میں مرکز چلا آرہا تھا۔ خاندانِ قریش کی عرب میں اہمیّت کا باعث یہی شہر تھا۔ اب اسلام کی تحریک عروج پر آگئی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی۔ کہ اس اہم شہر پر اسلام کا پرچم لہراتے۔

۴۔ صلح حدیبیہ میں سرکارِ رسالتؐ اور قریش مکّہ اور ان کے حلیفوں کے درمیان معاہدہ ہوا تھا۔ کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہیں لڑی جائے گی۔ مگر کفّار کی طرف سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ بنی خزاعہ رسولؐ اللہ کے حلیف تھے۔ اور بنی بکر کفّارِ قریش کے حلیف تھے، ان دونوں قبیلوں میں دشمنی تھی۔ اور جھگڑے تھے۔ بنی بکر نے خلافِ معاہدہ ان جھگڑوں کو تلوار کے زور پر ختم کرنے کی نیت سے بنی خزاعہ سے جنگ شروع کردی۔ قریش مکّہ نے بنی بکر کو ہتھیار فراہم کئے اور ان کی مدد کی۔ ان حالات میں بنی خزاعہ کو شکست ہوئی۔ ان لوگوں نے بیت اللہ میں پناہ لی۔ وہاں بھی انہیں قتل کیا گیا۔ حالانکہ وہاں خونریزی منع ہے۔ بنی خزاعہ کا نمائندہ دربارِ رسولؐ میں حاضر ہوا۔ اور آنحضرتؐ کو حالات سے آگاہ کیا۔ حضورؐ کو اس سے بہت رنج و ملال ہُوا۔ اور آپؐ نے اپنا قاصد کفار قریش کے پاس بھیجا۔ اور انہیں لکھا کہ میری فرستادہ شرطوں میں سے کسی ایک کو منظور کرو۔

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دو۔

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اُٹھا لو۔

۳۔ اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

کفارِ مکہ نے تیسری شرط مان لی۔ مگر بعد میں وُہ اپنے کئے پر پچھتاتے اور انہوں نے ابوسفیان کو تجدید معاہدۂ حدیبیہ کے لئے دربارِ رسالتؐ میں بھیجا۔ مگر حضورؐ نے انکار کر دیا۔ قریش تجدید معاہدہ اس لئے چاہتے تھے کیونکہ ان کی معاشی حالت بہت سقیم تھی۔ اور جوں جوں مسلمان ترقی کر رہے تھے ان کی تجارت ختم ہو رہی تھی۔ اور ان کا اقتدار خاک میں مل رہا تھا۔

عساکرِ قاہرہ رسالتؐ کی روانگی

خدا کا حبیبؐ مناسب وقت کی تلاش میں تھا۔ تاکہ حرمت کعبہ قائم رہے کہ معظمہ بلا جنگ و جدل فتح ہو۔ اور اللہ کا گھر بتوں کی نجاست سے پاک ہو جاتے۔ اب وُہ وقت آپہنچا تھا۔ اللہ کا رسولؐ دس ہزار سپاہیوں کی معیت میں ۱۰۔ رمضان ۸ھ، یکم جنوری ۶۳۰ء کو روانہ ہُوا۔ مشرکین میں اَب طاقت مقابلہ تو تھی ہی نہیں۔ ابراہیم خلیلؑ کا وارث اسمٰعیلؑ ذبیح کی یادگار امن کا پیغمبر مرکزِ توحید اللہ کے گھر میں اس گھر کی عظمت و احترام کو قائم رکھتا ہوا بلا قتل و غارت اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر بلدالامین مکہ اور مامن خلق اللہ بیت اللہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتا ہے۔

رحمۃ للعالمین کی شانِ عفو و رحمت

جس شہر کو آٹھ برس ہوتے حسرت و یاس اور رنج و غم کے ساتھ چھوڑا تھا۔ وہی شہر اللہ نے نہایت برتری اور کامیابی کے ساتھ آپؐ کے قبضہ میں دیا۔ اکابر قریش جو ہٹ دھرمی میں اپنی نظیر آپ تھے، بعض دباؤ سے بعض اپنی خوشی سے بعض اسلام کے جاہ و جلال کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ اب ذرا حضورؐ رسالتمآبؐ کا رحم و کرم اور شانِ عفو و رحمت دیکھئے، ان لوگوں کو جن سے آپ کو سخت ایذائیں پہنچیں۔ جنہوں نے وطن عزیز سے جلاوطن کیا۔ حضورؐ نے فتح پا کر ان سب کی تمام خطائیں معاف کر دیں۔ آپؐ نے انہیں مخاطب کر کے

پوچھا۔ بتاؤ تو سہی۔ تم مجھ سے کیا اُمید رکھتے ہو۔ سب نے جواب دیا۔ خیرا اخ کریم وابن اخ کریم۔ ہمیں اچھائی ہی کی امید ہے آپؐ فیاض بھائی ہیں اور فیاض بھائی کے فرزند ہیں۔ اس پر سرکارِ رسالتؐ نے فرمایا۔ اذھبوا فانتم الطلقاء۔ جاؤ۔ تم میرے آزاد کردہ ہو۔ تم لوگوں کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور جو تصویریں خانہ کعبہ میں بنی ہوئی تھیں ان سب کو محو کر دیا۔

اس کے بعد اپنے عفو و کرم کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔

جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے یا ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے یا ہتھیار ڈال دے۔ وُہ امان میں ہے۔" اس رسولِ امینؐ اس پیغمبر امنؐ کے رحم و کرم کا کیا کہنا۔ جو دشمن کے گھر کو دارالامان قرار دے۔

سٹینلے لین پول اس سلسلہ میں لکھتا ہے۔

"یہ امر واقعہ ہے کہ محمدؐ کی سب سے عظیم فتح مندی کا وقت وہی ہے جس وقت کہ انہوں نے اپنے نفس پر بھی عظیم فتح حاصل کی۔ رسولؐ اللہ نے نہایت فراخ دلی سے قریش کے تمام افعال قبیحہ اور ایذا رسانیوں کو جو کہ انہوں نے آپؐ کے خلاف جائز رکھی تھیں معاف کر دیا۔ رسولؐ کے مجاہدین نے بھی انہی کی پیروی کی اور نہایت امن و آشتی کے ساتھ شہر میں داخل ہوتے نہ کسی کے مکان کو لوٹا۔ اور نہ کسی عورت کی تذلیل کی۔"

اَب بنی امیّہ کے سردار ابوسفیان نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابوسفیان نے اس انقلاب کا ساتھ دینے کے لئے ارادہ کر لیا۔ جو ان کی ذاتی امنگوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینا چاہتا تھا۔ جب ابوسفیان حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہُوا۔ تو

اس وقت کی تصویر کشی علّامہ شبلی نے اس طرح کی ہے۔

ابوسفیان کے پچھلے تمام کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر ہر بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہوسکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفوِ نبی) تھی۔ اسؐ نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا۔ کہ خوف کا مقام نہیں [1] چنانچہ عباسؓ نے سفارش کی۔ اور ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے بھی جس کے انتقامی جذبات کی تصویر۔ آپ جنگِ اُحد میں دیکھ چکے ہیں۔ اسلام قبول کرلیا۔ علّامہ شبلی لکھتے ہیں۔" ہندہ فتح مکہ میں ایمان لائی۔ لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے"۔ [2]

اس واقعہ سے ہر انسان یہ بات سوچنے پر مجبور ہے کہ فوج کی ہیبت سے آدمی سر جھکا سکتا ہے۔ ہاتھ روک سکتا ہے۔ ہتھیار ڈال سکتا ہے۔ زبان بند کرسکتا ہے بلکہ اپنا گلا کاٹ سکتا ہے مگر اپنے دل میں تبدیلی نہیں پیدا کرسکتا۔ اپنے قلب میں یقین کی صفت پیدا نہیں کرسکتا۔ اور اپنی نفرت کو محبت سے تبدیل نہیں کرسکتا۔ وہ نفرت اور دشمنی جو اُن حدود تک پہنچ چکی تھی، جن کا مظاہرہ گذشتہ واقعات سے ہوچکا۔ کیا فوجی مظاہرہ کے اثر سے دشمنی محبت و عقیدت سے تبدیل ہوسکتی ہے؟ اس سے عام فطرت کے مطابق کیا سمجھا جاسکتا ہے؟ صرف اتنا کہ وہ دشمن جو پھنکاریں مارنے والے اژدہے کی طرح سامنے موجود تھا، اب مارِ آستین بن کر خفیہ ریشہ دوانیوں کے لئے آزاد ہوگیا۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ دشمن کی یہ صورت اس صورت سے زیادہ خطرناک ہے، جبکہ وہ خنجر

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۷۶۔ [2] سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۸۰۔

بکف گلا کاٹنے کے لئے سامنے کھڑا ہوا ہو۔ اسلام کے نقاد علیؓ ابن ابی طالبؓ کا ان دشمنوں کے ایمان لانے کے متعلق یہ خیال تھا۔ آپ نے فرمایا۔

مااسلموا ولکن استسلموا "یہ لوگ حقیقتاً اسلام نہیں لائے۔ بلکہ اسلام کے سامنے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔" ماحول اور واقعات نے انہیں مجبور کیا تھا کہ وہ رسولِ پاکؐ کے احکام کے سامنے گردنیں جھکا دیں۔ ورنہ باطن میں جو تھے وہ تھے۔

اس طرح کے لوگ جو غلبہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوتے تھے۔ ان کی نفسیاتی کیفیت وہی تھی۔ جو ہر دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوم کی ہوتی ہے۔ یعنی نفرت دشمنی۔ غصّہ، جذبۂ انتقام اور اس کے ساتھ ساتھ ڈر، جس کے نتیجہ میں وہ کھل کر اپنی عداوت کا اظہار تو نہیں کرسکتے تھے، مگر برابر موقع کے منتظر تھے کہ کسی طرح ہم اسلام کو نقصان پہنچا دیں۔ اور اگر اس کو ختم نہ کرسکیں۔ تو کم از کم اس کی امتیازی خصوصیات کو تبدیل کردیں۔ جو اس نے قائم کی ہیں۔ اور جن سے ہمارے اقتدار کو صدمہ پہنچا ہے۔ اور اسلام کے پردے میں ہی سہی ان امتیازی حدود کو قائم کریں۔ جو اسلام کے پہلے عرب میں تھیں۔

سرکارِ رسالتؐ کی زندگی میں ان کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی۔ اِن سب کی بڑی احتیاط کی جاتی تھی۔ ان کو عام مسلمانوں میں خلط ملط نہیں ہونے دیا جاتا تھا نہ ان کو مسلمانوں پر حاکم بنایا جاتا تھا۔ بلکہ اکثر تحفے تحائف دے کر ان کی دلجوئی بھی کی گئی۔ تاکہ یہ لوگ اپنے ظالمانہ انداز بھول جائیں اور یہ نہیں تو ان کی آئندہ نسلیں اسلام میں رہ کر امن وامان کی زندگی اختیار کرلیں — اور سچے مسلمان ہوجائیں۔ مگر ان کے جذبات وہی رہے — اور اگر ذرا اسلام پر کوئی مصیبت پڑتی تو ان کے چہرے خوشی سے کھل جاتے اور کبھی جذبات دبی زبان سے کھل جاتے۔ چنانچہ ہم ایسے مواقع کی اپنی اس تاریخ میں نشان دہی کرتے رہیں گے۔

مکّہ معظمہ میں فاتحانہ داخلہ کے بعد سرکارِ رسالتؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے ایک ایک بُت کو توڑتے اور جاء الحق و زھق الباطل کے نعرے لگاتے جاتے، قریش نے خانہ کعبہ کی چھت پر بہت سے بُت نصب کر رکھے تھے۔ جن میں ہبل سب سے بڑا بُت تھا۔ جس کو جنگِ اُحد کے موقع پر ابوسفیان اُٹھا کر لشکرِ کفار کے سامنے جوش دلانے کے لئے لے گیا تھا۔ رسول اللہؐ نے اپنے قوتِ بازو علیؑ کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے ان بلندی پر رکھے ہوئے بُتوں کو یداللہ سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ [1]

علیؑ بر دوش احمد چشم بد دُور
عیاں شد معنیٔ نورٌ علےٰ نور

تطہیرِ کعبہ کے بعد سرکارِ رسالتؐ محمد مصطفےٰؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ نمازِ شکر ادا فرمائی۔ اور اہلِ شہر کو اکٹھا کر کے ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی، جس میں اللہ کی توحید پر قائم رہنے، شرک سے بچنے اور انسانی اخوّت کو ملحوظ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد حضورؐ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے، لوگ جوق در جوق آ کر مسلمان ہونے لگے۔ سرکارِ رسالتؐ پندرہ روز مکّہ میں قیام فرما کر نو مسلموں کی مذہبی تعلیم و تربیّت کا انتظام کر کے مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

قریش کی شکست کے اسباب

۱۔ معجزۂ شجاعت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا دبدبہ۔ آج تک جس قدر لڑائیاں ہوئی تھیں۔ ان میں علیؑ مرتضےٰ حیدرِ کرار اسداللہ الغالب نے وہ جوہرِ شجاعت دکھلائے تھے۔ کہ کفارِ قریش مرعوب ہو چکے تھے۔

۲۔ عساکرِ اسلامیہ کا اچانک مکّہ پہنچنا اور قریش کا مرعوب ہونا۔ عساکرِ اسلامیہ اچانک مکہ پہنچ گئے۔ رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ہر مسلمان جائے قیام پہ آگ روشن کرے۔ دُور سے کفّارِ قریش کو دس ہزار کے

---

[1] مدارج النبوۃ، حبیب السیر۔

قریب مقامات پر آگ روشن نظر آئی۔ تو انہوں نے اندازہ کیا کہ فوج بہت زیادہ ہے۔ جس کے لئے دس ہزار چولہا روشن کیا گیا ہے۔ اِن کے حوصلے پست ہو گئے اور وُہ مقابلہ نہ کر سکے۔

۳۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو انہیں بھڑکاتے تھے، اور لڑاتے تھے۔ ذوالفقارِ علیؑ سے ختم ہو چکے تھے۔

۴۔ ابوسفیان مسلسل شکستوں کی وجہ سے ہمت ہار چکا تھا۔ اس نے لشکرِ اسلام میں گھر جانے کے بعد حضرت عباسؓ کے مشورہ پر ہتھیار ڈال دیئے۔

فتح مکّہ کے نتائج

۱۔ تطہیر بیت اللہ۔ مرکز توحید مسلمانوں کا قبلہ بتوں سے پاک ہو گیا۔ اور اللہ کا گھر صحیح معنوں میں اللہ کا گھر ہو گیا۔

۲۔ ایک ایسے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ جو معاشرتی، تمدّنی، مذہبی، سیاسی اور معاشی و تجارتی مرکز تھا۔ یہ اسلام کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

۳۔ تمام قبائلِ عرب کو اسلامی حکومت کو عرب کی واحد سب سے بڑی سیاسی و روحانی طاقت سمجھنا پڑا۔

۴۔ عرب کی تنظیم اور اہل عرب کا ایک مرکز پر اجتماع۔

فتح مکّہ سے عرب کی اجتماعی تنظیم شروع ہو گئی۔ وُہ قبائلِ عرب جو قبائلی نظام کے ماتحت زندگی بسر کر رہے تھے وُہ سرکارِ رسالتؐ کی قیادت و سیادت میں مجتمع اور متحد ہو کر ایک قوم بن گئے۔ ایک ایسی قوم جس کے ہاں جغرافیائی حد بندی نہیں بلکہ وُہ قوم جس کا رشتہ اتحادِ انسانیت سے ہے۔

چودھواں باب

جنگِ حنین اور طائف کا محاصرہ

شوال ۸ھ، جنوری ۶۲۶ء

جنگِ حنین کے اسباب

فتح مکّہ کے بعد لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ بعض مشرک قبائل یہ حالت دیکھ کر بہت مشتعل ہُوئے۔ اس پر بنی ثقیف، ہوازن، بنی سعد اور بنی جشم کے صحرائی قبائل متحد ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ بنی ثقیف وہی ہیں۔ جنہوں نے طائف میں رسولؐ اللہ سے بدسلوکی کی تھی۔ اور آنحضرتؐ پر پتھر برسائے تھے۔ بنی ہوازن اور بنی ثقیف طائف کے گرد و نواح میں مکّہ سے ساٹھ ستّر میل کے فاصلہ پر آباد تھے۔ یہ لوگ بہت خونخوار اور سرکش تھے۔ کسی کی اطاعت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے جب اسلام کو نہایت تیزی سے پھیلتے دیکھا تو گھبرا گئے۔ اور خیال کرنے لگے کہ اگر اسلام کی ترقی کا یہی عالم رہا۔ تو ایک دن ہمیں ختم کر کے اپنی اطاعت میں لے آئیں گے۔ انہوں نے ایلچی بھیج کر اِرد گرد کے قبیلوں کو جمع کر لیا۔ جب سرکارِ رسالت کو ان کے مذموم ارادوں کا علم ہوا، تو حضورؐ بھی تیار ہو گئے۔

جنگ

یکم شوال ۸ھ، ۲۲ جنوری ۶۲۶ء بروز دوشنبہ سرکار رسالتؐ مکّہ سے روانہ ہُوئے۔ بارہ ہزار یا بروایتے سولہ ہزار فوج رکابِ سعادت انتساب میں تھی۔ ان میں دس ہزار مہاجر و انصار تھے جو مدینہ

سے ہمراہ آئے تھے۔ دو ہزار اہالیٔ مکّہ تھے، جن میں سے بعض ابھی مسلمان بھی نہیں ہُوتے تھے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ کافر بھی ہمراہ تھا۔ اس سے سرکارِ رسالتؐ نے ایک سو زرہ اس جنگ کے لئے عاریتاً لی تھی۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ اسّی مشرکین حضرت کے ساتھ تھے، حسبِ معمول اس جنگ میں بھی حضرت اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالبؑ علمدار تھے۔ جب مسلمان وادیٔ حنین میں پہنچے۔ تو دشمن کی فوج پہلے سے موجود تھی۔ غنیم کی فوج جابجا پہاڑ کے درّوں میں چھپ گئی تھی۔ مسلمان اس سے واقف نہ تھے۔ صبح کو راستے کی تنگی کی وجہ سے متفرق ہو کر آگے بڑھے۔ اس متفرق ہونے کی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ فتح مکّہ سے اور اپنی تعداد کی زیادتی اور سامان کی فراوانی کے سبب مسلمان کچھ مغرور اور لاپرواہ سے ہو گئے تھے۔ اور ان کے دلوں میں کچھ نخوت سی آگئی تھی۔ چنانچہ روضۃ الصفاء، روضۃ الاحباب تاریخ خمیس اور تاریخ حبیب السیر وغیرہ میں لکھا ہے، کہ حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کا یہ شاندار لشکر دیکھ کر کہا تھا کہ آج ہم کمیٔ لشکر کے سبب شکست نہ پائیں گے۔ اس خوش فہمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی دشمن اپنی گھات سے نکل پڑے اور اس انداز سے نکلے کہ مسلمان حیران رہ گئے۔ تیروں پتھّروں اور نیزوں کی بوچھاڑ سے گھبرا گئے اور ایسا تتر بتر ہوئے کہ صرف سرکارِ رسالتؐ اور چند قدیمی جان نثار میدان میں رہ گئے۔

جنگ میں کن لوگوں کے قدم اُکھڑ گئے

سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید۔ (جو سیف اللہ کے نام سے مشہور ہیں) نے میدان چھوڑا۔ اس کے بعد کفارِ قریش نے کہ نئے نئے مُسلمان ہُوتے تھے۔ راہِ فرار اختیار کی۔ پھر باقی اصحاب و انصار چل دیئے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی قدم نہ جما سکے۔ بہت سے مسلمان مارے گئے۔ کئی زخمی ہُوئے۔ سرکارِ رسالتؐ نے بہت پکارا۔

اے اصحابِ بیعت الرضوان! تم اپنے رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو مگر کسی نے ایک نہ سُنی۔ اور کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ نفسا نفسی پڑی ہوئی تھی۔

اس طرح مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔[1]

جنگِ حنین میں بنی اُمیّہ کی اندرونی کیفیت کا اظہار

ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ کفارِ قریش خصوصاً بنی امیہ فتح مکہ میں دب کر اور شکست کھا کر مسلمان ہوتے۔ اِن کے دلوں پر اسلام کا اثر ابھی کم تھا۔ اور دل میں ابھی اسلام کو کمزور سمجھ رہے تھے۔ جنگِ حنین میں ان کی کمزوری ظاہر ہوئی۔ اس موقع پر ابوسفیان بن حرب جو فتح مکہ میں مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے بھی گمان کیا کہ مسلمان اب شاید سمندر تک بھاگیں گے۔ صفوان بن امیہ کے بھائی حکدہ بن امیہ نے بھی پکار کر کہا۔ اب محمدؐ کے جادو کا اثر جاتا رہا۔[2]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ جنگِ حنین میں جب مُسلمانوں کی اکثریت میدانِ جنگ سے پسپا ہوئی تو ابوسفیان نے کہا بس جادو ختم ہو گیا۔[3]

حبیب السیر میں ہے کہ جب مسلمان بھاگ گئے۔ تو آنحضرتؐ نے مجبوراً اپنا خچر لڑنے کے لئے آگے بڑھایا۔ مگر حضرت عباس نے لگام تھام لی۔ اور لڑنے سے روکا۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے بھاگنے

۱ تاریخ خمیس، روضۃ الاحباب۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔
۲ عسقلانی شرح بخاری جلد ۶ ص۳۶۷۔ معارف ابن قتیبہ ص۵۴ روضۃ المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ص۱۵۰ تاریخ ابوالفدا ص۱۵۴۔
۳ مدارج النبوۃ۔

والے مُسلمانوں سے للکارا۔

اے گروہِ انصار! اے اصحاب الشجرہ! اے اصحاب سورۃ بقر! کہاں جاتے ہو، یہ آواز سُن کر مُسلمان جمع ہونے لگے۔ اس اثنا میں دشمن بلندی سے اُتر آئے۔ میدان میں خوب جنگ ہوئی۔ چند گھنٹوں میں دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور مسلمانوں کو بے اندازہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔

اس جنگ کا حال قرآن حکیم کی سورۃ توبہ میں موجود ہے۔ (حبیب السیر)

جنگِ حنین میں فاتحِ حنین، علیؑ

اس لڑائی میں ستر کافر اور چار مسلمان مارے گئے۔ ان ستر کافروں میں سے چالیس تنہا حضرت اسد اللہ الغالب علیؑ مرتضٰی نے قتل کئے۔[1]

جنگ کے ثابت قدم

اس جنگ میں حضرت علیؑ، ابوسفیان بن الحارث حضرت عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود ثابت قدم رہے۔ اور آنحضرتؐ کو دشمن کی زد سے بچاتے رہے۔[2]

بنی اُمیّہ کو مالِ غنیمت

باوجودیکہ ابوسفیان اور اس کے بیٹے یزید و معاویہ نے کسی طرح کی مدد نہیں کی تھی۔ مگر اس پر بھی آنحضرتؐ نے محض اِن لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے غنیمتِ غزوۂ حنین میں سے انہیں حصّہ دیا۔ چنانچہ ابوسفیان اور اس کے بیٹوں یزید اور معاویہ تینوں میں سے ہر ایک کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔

جب رحمۃٌ اللعالمین کے لطف و کرم سے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ابوسفیان اور اس کے بیٹوں یزید اور معاویہ کو ملی۔ اور فرطِ مسرت سے کہنے لگے۔ یارسول اللہ! آپ تو جنگ و صلح دونوں

۱ سیرت ابن ہشام، حبیب السیر ۲ مواہب لدنیہ، تاریخ خمیس، فتح الباری۔

حالتوں میں صاحبِ کرم ہیں۔ ؎۱

بنی اُمیّہ کو مالِ غنیمت ملنے پر انصار کی افسردگی

جب انصار میں اس عطیہّ کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ تو آنحضرتؐ نے اس عطیہّ کی مصلحت اور اس تالیفِ قلب کی وجہ بیان کی اور بنو امیہ کی کمزوری کو ظاہر فرما دیا۔ ؎۲

رسول اللہؐ نے انصار سے فرمایا۔ میں نے ان لوگوں کو جو نئے مسلمان ہیں ان کی تالیفِ قلوب کے لئے یہ عطا کیا ہے۔ کیا اے انصار! تم اس امر سے راضی اور خوشنود نہیں ہو، کہ تم لوگ تو اپنے نبی کے ساتھ رحمتِ الٰہی میں گھروں کو واپس جاؤ۔ اور یہ لوگ دنیا کا مال و دولت۔ بھیڑ بکریاں لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں۔

شارح تیسیر القاری نے اس ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مولفۃ القلوب و تازہ مسلمان ہیں۔ جو فتح مکہ کے بعد مجبور ہو کر مسلمان ہوئے، ابو سفیان و معاویہ وغیرہ۔ ؎۳

جنگِ حنین میں فرار کے اسباب

۱۔ مسلمانوں کو اپنی طاقت پر بڑا غرور ہو گیا تھا۔

۲۔ اسلامی لشکر میں مکّہ کے نومسلموں کی اکثریت تھی۔

۳۔ اسلامی لشکر میں کچھ لوگ ایسے تھے۔ جو محض مالِ غنیمت کے لالچ میں ہمراہ آتے تھے۔

؎۱ تمدن اسلام مولفہ جرجی زیدان عیسائی مورخ حالات مولفۃ القلوب ص۵۴ و ۵۵۔

؎۲ تیسیر القاری ص۱۵۸ و ص۱۵۹ و ص۱۶۰۔ شرح عسقلانی جلد ۶ ص۳۵۰ و ص۳۴۳۔

؎۳ روضۃ المناظر ص۱۵۲ تاریخ ابوالفدا ص۱۵۵۔

۴۔ دشمن نے بہتر مقامات پر پہلے قبضہ کر لیا تھا۔

۵۔ مسلمان بنی ثقیف اور ہوازن کی تیر اندازی سے گھبرا گئے۔

اوطاس، لیہّ اور طائف

دشمن کی شکست خوردہ فوج پسپا ہو کر تین مقامات کی طرف ہٹی اور اوطاس میں جمع ہو گئی۔ ابو موسیٰ اشعری کی قیادت میں ایک لشکر نے اوطاس پہنچ کر انہیں منتشر کر دیا۔ جنگ میں ابو عامر مارا گیا۔

وادی لیہّ میں دشمن کے تعاقب میں خود رسول اللہؐ پہنچے۔ اور وہاں کے قلعہ کو مسمار کر دیا۔

طائف میں دشمن قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ مگر پھر محاصرہ اُٹھا لیا۔ دَوران محاصرہ میں لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ دشمن کے لئے بد دعا فرمائیں۔ رسول اللہؐ نے دستِ دُعا بلند فرماتے اور دُعا کی بارِالٰہا! بنی ثقیف کو ہدایت دے اور آستانۂ اسلام پر لا۔ چنانچہ دُعا قبول ہُوئی۔ اور بنی ثقیف مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ذی قعدہ میں سرکارِ رسالتؐ واپس مدینہ تشریف لاتے۔

پندرھواں باب

سرکارِ رسالتؐ کا رومیوں سے مقابلہ

جنگِ موتہ جمادی الاوّل ۸ھ، ستمبر ۶۲۶ء

غزوۂ تبوک رجب ۹ھ، نومبر ۶۲۷ء

علیؑ خلیفۂ رسولؐ

اس زمانہ میں عرب کے شمال میں مشرقی رومی سلطنت[1] پھیلی ہوئی تھی۔ اس وسیع علاقہ کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں نے عرب سے اپنے ملحقہ علاقوں کی سرحدوں پر چھوٹی چھوٹی عرب ریاستیں قائم کی ہوئی تھیں، جو اُن کی باج گزار تھیں اور ان کے اور عرب کے درمیان "بفر سٹیٹ" کا کام دیتی تھیں۔

عرب کے شمالی علاقہ میں رومی سرحد پر جو عرب آباد تھے وہ غسان قبیلہ سے تھے وہ عیسائی بھی ہو چکے تھے اور انہوں نے رومی تمدن کو بھی اختیار کر لیا تھا اور وہ اس اجنبی تمدن پر نازاں تھے۔ مشرق کی طرف جو عرب آباد تھے۔ وہ ایران کی ساسانی حکومت سے متاثر تھے۔ ایرانیوں کی وفاداری کا، دَم بھرتے تھے اور انہوں نے ایرانی مذہب اور ایرانی تہذیب و تمدن کو اپنا لیا تھا۔

---

۱ EASTERN ROMAN EMPIRE

مسلمانوں اور رومیوں کی چپقلش کے اسباب

۱۔ اس وقت تک سرکارِ رسالت محمدؐ مصطفٰے کی مشرکین عرب اور یہود سے جو لڑائیاں ہوئی تھیں۔ ان میں اراکین کو پے درپے شکستیں ہوئیں اور یہود بھی خیبر کے ایک ہی جھٹکے سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔ اسلام کے اس روز افزوں فوجی اقتدار اور اسلام کی مسلسل نشر و اشاعت کا نتیجہ رومیوں اور مسلمانوں کی چپقلش میں نمودار ہوا۔ کیونکہ مشرقی رومی سلطنت مسلمانوں کے اس سیاسی اقتدار کو برداشت نہ کر سکی۔

۲۔ رومی سرحد کے عرب سردار جو روم کی سامراجی طاقت کے ہاتھ بکے ہوئے تھے اور غیر ملکی آقاؤں کی سرپرستی میں ذی وقار اور صاحبِ اقتدار تھے اسلام کی روز افزوں ترقی کے آئینہ میں اپنی طاقت کا زوال دیکھ کر مشتعل ہو گئے۔

۳۔ عرب قبائل کے قبولِ اسلام اور سرکارِ رسالتؐ کے تبلیغی دعوت ناموں کے اثرات نے انہیں مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم کرنے پر آمادہ کر دیا۔

۴۔ سرکارِ رسالتؐ کے قاصد حارث بن عمیر کو جو حضورؐ کا خط ریاست بصرٰی کے سردار کے نام لے جا رہا تھا۔ شراجیل غسانی نے جو موتہ کا سردار تھا قتل کرادیا۔ تھا۔ اور یہ امر بین الاقوامی آئین کے خلاف تھا۔ اس لئے حارث کے خون کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں میں جوش تھا۔

جنگِ موتہ ۸ھ، ۶۲۶ء

حضرت زید بن حارثہ (سرکارِ رسالتؐ کے آزاد کردہ غلام) کی قیادت میں مسلمانوں کی تین ہزار فوج روانہ ہوئی۔ اور فوج کو ہدایت کی گئی۔ کہ اگر حضرت زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو فوج کی کمانڈ حضرت جعفر بن ابی طالبؑ سنبھال لیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کی سالاری میں جنگ لڑی جاتے۔ شراجیل معمولی طاقت کا سردار تھا۔ جب اس نے مسلمانوں کی پیشقدمی کی

خبریں سُنیں تو بہت خوفزدہ ہوا۔ اور اس نے عرب حکمرانوں اور دمشق کے رومی حاکم سے امداد طلب کی۔ چنانچہ بہت تھوڑے زمانہ میں ہر طرف سے اُسے کمک ملی۔ وُہ ایک لاکھ فوج جو ہر طرح کے سامانِ حرب سے مسلح تھی لے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں میدان میں آ ڈٹا۔ حضرت زید بن حارث کا خیال تھا کہ نازک صورت حالات کی اطلاع رسول اللہؐ کو دی جاتے۔ کیونکہ ایک لاکھ کے مقابلہ میں صرف تین ہزار فوج تھی۔ اور مقابلہ بہت سخت تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنے مشورہ سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ یہ امر ہمارے جذبۂ شہادت کے منافی اور عشقِ رسول اللہؐ کے خلاف ہے۔ مقامِ موتہ پر جنگ کا آغاز ہوا مسلمانوں کی یہ قلیل فوج اتنی بڑی کثیر اکثریت کے مقابلہ میں بڑی سرفروشی اور جانبازی سے لڑی۔ حضرت زید بن حارث نے حقِ خلوص و وفا ادا کیا۔ اور درجۂ شہادت پر فائز ہوتے۔ حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ نے علمِ رسالتؐ کو سنبھالا۔ اور سالاریٔ لشکر کے منصب پر فائز ہوتے۔ آپ اسد اللہ الغالب علیؑ مرتضےٰ کے بھائی تھے۔ ایسا جان توڑ مقابلہ کیا کہ اسلام کی تاریخ میں زرّین الفاظ میں درخشاں رہے گا۔ دونوں بازو کٹنے پر بھی اسلامی علم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ شہید ہُوتے۔ آپ کی لاش پر ایک سَو کے قریب زخم تھے، سب کے سب جسم کے اگلے حصّہ پر تھے، پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ اسلامی روایات میں ہے کہ بازوؤں کی قربانی پر اللہ نے انہیں دُو پرُ عطا فرماتے ہیں۔ جن سے وہ جنّت میں پرواز کرتے ہیں۔ اس لئے آپ جعفر طیارؓ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت پر قیادتِ لشکر کو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا۔ یہ وفادار غازی بھی حق ادا کر کے شہید ہوا۔ جب رسول اللہؐ کے نامزد تینوں سردار شہید ہو چکے۔ تو پھر خالد بن ولید نے خود فوج کی کمانڈ اپنے ہاتھ میں لی[1] اور یہ دیکھ کر کہ دشمن سے مقابلہ آسان نہیں، نہایت خوش اسلوبی

---

[1] زرقانی شرح علی المواہب الدنیہ جلد ۲ صـ۲۷۲۔ تاریخ طبری جلد ۳ صـ۱۰۹۔

سے پسپا ہُوئے۔ اور سیاسی تدبّر سے باقی ماندہ فوج کو دُشمن کے زغہ سے نکال کر واپس لے آئے۔

جب یہ ہزیمت خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہلِ شہر اس کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غم خواری کی بجائے ان کے چہروں پر خاک ڈالتے تھے کہ او فراریو تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۳۷۲)

غزوۂ تبوک ۹ھ، ۶۲۷ء

علیؑ، عملی طور پر خلیفۂ رسولؐ اور دار السلطنت میں قائم مقام

اسبابِ جنگ

۱۔ جنگ موتہ میں مُسلمانوں کی پسپائی سے سرحد کے معاند عرب سرداروں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اور وُہ اَپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اسلامی سلطنت پر حملہ کر کے مراکزِ اسلام مکہ و مدینہ پر قبضہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔

۲۔ حجاز پر رومی حملہ کی افواہیں عام طور پر پھیل رہی تھیں۔

(ا) شام سے آنے والے تاجر رومی فوج کی تیاریاں اور فوجی قیام گاہوں کے متعلق عجیب و غریب افسانے بیان کر رہے تھے۔

(ب) یہ بھی افواہ گرم تھی کہ رومی سرحد کی فوج کے لئے ہرقل نے چالیس ہزار کمک بھیجی ہے۔

(ج) شام کے قبطی تاجروں نے اطلاع دی کہ اسلامی سلطنت کی سرحد پر ایک کثیر فوج جمع ہے، جس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔

۳۔ ان وحشت ناک خبروں سے منافقوں کو نومسلموں میں خوف و ہراس پھیلانے کا موقعہ مل گیا تھا۔ وہ ان خبروں کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے تھے۔

اِن حالات میں ضروری تھا کہ سرکارِ رسالتؐ رومی حملہ کے تدارک کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار فرمائیں، معاند سردارانِ عرب کے حوصلے پست کریں اور ان کی ملک کے خلاف غدارانہ جد وجہد کا خاتمہ کریں اور خوف و ہراس کی فضا کو دُور کر کے ان کے حوصلوں کو جو پست ہو چکے تھے، بڑھائیں۔ اس لئے رسولؐ اللہ نے رضا کارانِ اسلام کو تیاری کا حکم دیا۔ باوجودیکہ موسم گرم تھا۔ ملک میں قحط کے آثار بھی نمایاں تھے، منافق خود بھی لڑائی سے جی چراتے تھے اور عوام مسلمانوں کو بھی خفیہ طور پر ورغلاتے تھے، مقابلہ بھی عرب قبائل سے نہ تھا۔ بلکہ اس زمانہ کی متمدن ترین سلطنت رومن امپائر سے تھا گویا منظم شہنشاہی سے ٹکر تھی۔ اتنی روکاوٹوں کے باوجود مخلص مسلمان ایثار وآزمائش میں پورے اترے اور تیس ہزار فوج جنگ کے لئے تیار ہوگئی۔ اس جمعیت کو دیکھ کر بعض متمول صحابہ نے بھی جنگی امداد کے لئے رقوم پیش کیں۔

دارالسلطنت میں نظامِ ملکی علیؑ کے ہاتھ میں

سرکارِ رسالتؐ نے روانگی سے پہلے جناب امیرالمومنین علیؑ مرتضیٰ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرمایا اور تمام نظامِ ملکی ان کے ہاتھ دے کر روانہ ہوتے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

۱۔ اپنی وفات سے بہت قلیل عرصہ پہلے حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام نامزد فرمانا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد وہ زمامِ حکومت کو ہاتھ میں لینے کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ جنہیں رسولؐ اللہ اپنی زندگی میں قائم مقامی کے منصب پر سرفراز فرما رہے ہیں۔

۲۔ اس غزوہ میں رسولؐ اللہ نے خاص اہتمام فرمایا۔ اور ہر غزوہ سے زیادہ فوج اپنے ہمراہ لے گئے۔ چونکہ مدینہ میں بہت تھوڑی فوج رہ گئی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی۔ کہ کسی بہترین مدبر کو نظامِ ملکی کے لئے مامور کیا جاتے۔ جو بہادر اور جنگ آزما بھی ہو، تاکہ اگر دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو۔

تو وہ اس حملہ کا تدبّر اور شجاعت سے جواب دے سکے۔

۳۔ بہت سے منافق بہانہ کر کے مدینہ میں رہ گئے تھے۔ اور بہت سے راستے سے واپس آگئے تھے لہٰذا ان کی طرف سے بہت خطرہ لاحق تھا کیونکہ ان کا نہ جانا اور واپس آنا۔ اس کی دلیل تھی۔ کہ وہ آنحضرتؐ کی غیبت میں کوئی فتنہ بپا کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات کے تحت آنحضرتؐ کا یہ انتہائی تدبّر تھا۔ کہ حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر نظامِ ملکی کو ان کے ہاتھ میں دیتے جائیں۔ تاکہ وُہ آڑے وقت میں اپنی بہترین سیاسی قابلیتوں کو نمایاں کر کے انتظامِ ملکی میں خلل نہ آنے دیں۔

جناب رسالت مآبؐ نے امہات المومنین کو یہ تاکید فرمائی کہ اطاعتِ علیؑ سے باہر نہ ہوں، غالباً اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کوئی منافقین سے تعاون نہ کرنے پائے۔ رسولؐ اللہ روانہ ہو چکے تھے کہ منافقین نے اس تقرر کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام کو افسردہ خاطر کرنے کے لئے افواہیں پھیلانا شروع کر دیں۔ حضرت علیؑ پھر مدینہ سے باہر خدمتِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے اور اس تقرر کی وضاحت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا۔

یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ انہ لا نبی بعدی۔

"اے علیؑ! تجھے میرے نزدیک وہی مرتبہ حاصل ہے۔ جو ہارون کو موسیٰؑ کے نزدیک تھا۔ ہاں میرے بعد نبی نہیں ہے۔" [1]

---

[1] بخاری جلد ۲ صـــ۲۰۰ـــ۔ مناقب علی، مسلم الجزء صـــ۱۲۰ـــ۔ مناقب علی، سنن ابن ماجہ الجزا صـــ۵۵ـــ۔ سنن ترمذی مناقب علی۔ مستدرک حاکم جلد ۳ صـــ۱۰۹ـــ و صـــ۱۳۳ـــ۔ استیعاب جلد ۲ صـــ۴۷۳ـــ ترجمہ علی۔ مسند داوُد۔ طیالسی صـــ۲۸ـــ و صـــ۲۹ـــ حدیث ۲۰۳ و ۲۰۵ و ۲۰۹ و ۲۱۳۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ق ۱ صـــ۱۴ـــ

اسلامی لشکر کی روانگی

سرکارِ رسالتؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ان میں دس ہزار سوار تھے اور بیس ہزار پیادہ فوج تھی۔ سرکارِ رسالتؐ کی اس فوج ظفر موج نے تبوک کے مقام پر جاکر ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ مقام سرحدِ شام پر واقع تھا۔ وہاں پہنچ کر دریافت حالات پر معلوم ہوا، کہ رومی حملہ کا فوری امکان نہیں ہے۔ البتہ غیر ملکی غلامی میں مست غسانی اور دیگر قبائل کے معاند سردار مسلمانوں کے خلاف جدوجہد میں سرگرم ہیں۔ چونکہ جنگ کا فوری خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے پیغمبرِ امنؐ کچھ عرصہ سرحد پر قیام فرماکر مدینہ طیبہ واپس چلے آئے۔

غزوۂ تبوکؓ کے نتائج واثرات

اگرچہ رومیوں سے جنگ نہ ہوئی۔ مگر اس غزوۂ مبارکہ کے اثرات بہت خوشگوار تھے۔

۱۔ تیس ہزار لشکر کی موجودگی کا اثر نہایت اچھا پڑا۔ مختلف سرداروں نے اطاعت قبول کرلی۔

۲۔ دومۃ الجندل جو عرب کے مختلف کاروانی راستوں کا مقام اتصال تھا۔ اس مقام کو سیاسی اور اقتصادی طور پر بڑی اہمیت حاصل تھی مسلمانوں کے احاطۂ اقتدار میں آگیا۔ پہلے یہ علاقہ اکیدر نامی حاکم کی قیادت میں قیصرِ روم کے اقتدار میں تھا۔ چونکہ سلطنت روما کے زیرِ اثر علاقہ سے اسلامی سلطنت کو جو خطرہ تھا۔ اس لئے رسول اللہؐ نے چار سو کے مختصر سے لشکر کو دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا۔ اکیدر گرفتار ہوا۔ اور پھر اس شرط پر رہا کیا گیا۔ کہ مدینہ پہنچ کر رسول اللہؐ سے معاہدہ کرے۔ چنانچہ وہ دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ اور اسلامی سلطنت کی سرپرستی منظور کرلی۔ اس طرح یہ اہم مقام مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آگیا۔ اس کے بعد اکیدر بھی مسلمان ہوگیا۔

۳۔ حجاز کے شمال میں، بحیرۂ قلزم کے ساحل پر ایلہ کی بندرگاہ تھی۔ یہی ایلہ ہے جو موجودہ زمانہ میں عقبہ کہلاتا ہے اور شرق اردن کی مملکت میں شامل ہے۔ یہاں ایک عیسائی سردار یوحنا نامی حکمران تھا یہ دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ حضورؐ سے معاہدہ کیا اور تحفہ کے طور پر ایک خچرؓ پیش کیا۔ رسول اللہؐ نے اسے ایک چادر عطا فرمائی اور ایسی شرائط پر معاہدہ کیا جس سے رسول اللہؐ کی فراخ دلی نمایاں تھی۔

۴۔ جربا اور اذرح کے عیسائیوں نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ ان سرداروں کو سرکارِ مدینہ کے وفادار رہنے اور خراج یعنی جزیہ ادا کرنے پر اپنے مذہب پر پوری آزادی سے عمل کرنے کی اجازت عطا ہوئی۔ اور نظامِ حکومت میں ان کی کامل آزادی کو تسلیم کرلیا گیا۔

۵۔ مسلمانوں کی سلطنت رومیوں کی سرحدوں تک پھیل گئی۔ سرکارِ رسالتؐ اس مہم میں ۵۰ دن مدینہ سے باہر رہے۔ رمضان ۹ھ میں واپس تشریف لائے۔

قرطاسِ نصاریٰ

سرکارِ رسالتؐ نے سینٹ کتھرائن کے راہبوں کو جو جبل سینا میں آباد تھے "قرطاس نصاریٰ" عطا فرمایا۔ جو اسلامی رواداری کی روشن اور عظیم الشان یادگار ہے۔ اس اعلان کے ذریعہ سے حضورؐ نے عیسائیوں کو نہایت اہم مراعات عطا فرمائیں اور اس فرمانِ رسالتؐ کی خلاف ورزی کرنیوالے مسلمانوں کے لئے سخت سزائیں تجویز فرمائیں اس فرمان کی ضروری دفعات یہ تھیں۔

۱۔ عیسائیوں کے گرجوں اور ان کے راہبوں کی خانقاہوں کی حفاظت کی جائے اور انہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے دیا جائے گا۔

۲۔ ان پر کوئی ناجائز ٹیکس عائد نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ کسی عیسائی پادری، قیس اور بشپ کو اس کے عہدے سے برطرف

نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ کسی عیسائی کو اس کا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ مسجدیں یا مسلمانوں کے رہائشی مکان تعمیر کرنے کے لئے عیسائی گرجوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کی زوجیت میں ہوں گی اپنے مذہبی حقوق سے بہرہ ور رہیں گی۔ اور ان پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اگر عیسائیوں کو گرجوں اور عیسائی خانقاہوں کی مرمت یا دوسرے امور کے لئے مدد کی ضرورت ہوگی۔ تو مسلمان ان کی مدد کریں گے۔

سولھواں باب

تبلیغ سورۂ برأت، واقعۂ مباہلہ

ذیقعدہ ۹ھ۔ مارچ ۶۲۸ء

جناب رسالت مآبؐ نے حضرت ابوبکر کو ۹ھ کے موسم حج میں سورۂ برأت کی چالیس آیات کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ لیکن حضرت ابوبکر کے روانہ ہوتے ہی وحی نازل ہوئی، کہ تبلیغ یا آپؐ کریں یا علیؑ۔ آپؐ نے اسی وقت حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کے پیچھے روانہ کیا اور حکم دیا کہ حضرت ابوبکر سے سورۂ برأت کی آیات لے لیں اور خود تبلیغ کریں۔ حضرت علیؑ خاص ناقۂ رسولؐ پر سوار ہو کر چلے اور ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد حضرت ابوبکر کے پاس جا پہنچے اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کے مطابق آیات لے کر روانہ ہو پڑے۔

حضرت ابوبکر وہیں سے واپس سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا کہ میرے خلاف کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حکم نازل ہوا ہے، کہ تبلیغ میں کروں یا میرے اہلِ بیت میں سے کوئی کرے، کوئی غیر نہیں کر سکتا، یہ واقعہ مسلمات فریقین سے ہے اور اکثر کتبِ تواریخ واحادیث میں درج ہے۔ اس واقعہ کے راوی جناب امیر علیہ السلام کے علاوہ ابنِ عباس، ابو سعید خدری عبداللہ ابن عمر، ابوہریرہ، سعید بن ابی وقاص، ابو رافع اور انس بن مالک ہیں[1]

یہ نہایت عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس سے کئی نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت علی مرتضیٰؑ اہلِ بیت رسولؐ سے ہیں۔

۲۔ جو سرکارِ رسالتؐ، رسول اللہ کر سکتے ہیں وہ علی مرتضیٰؑ ہی کر سکتے ہیں۔

۳۔ الٰہی حکم سے ہی خلافت و نیابت ہوتی ہے، اُمّت کو یہ حق نہیں پہنچتا، کہ وُہ جسے چاہے نیابت و خلافت کے لئے چن لے۔

۴۔ رسولؐ اللہ بھی اللہ کے حکم کے بعد ایسا کر سکتے ہیں۔

۵۔ حضرت علیؑ کی حضرت ابوبکر پر فضیلت صاف ظاہر ہوگئی۔

۶۔ رسولؐ اللہ کی نیابت کے لئے موزوں ترین شخصیت حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اِن سے بہتر اور زیادہ موزوں کوئی اور شخص نہیں ہو سکتا۔

۷۔ عمر میں زیادہ ہونا باعثِ فضیلت و ترجیح نہیں ہے۔

۸۔ حضرت ابوبکر تبلیغ سورۂ برات سے برطرف ہو کر واپس آئے اگر یہ منصب

---

[1] ارجح المطالب باب ۴ صـ۵۸ از خصائص نسائی، کنز العمال صـ۲۴۶ حدیث عـ۴۲۰ صـ۴۷ ۲ حدیث عـ۴۲۱۱۔ فتح الباری جلد ۸ صـ۲۴۸ تفسیر سورۂ برأت، تاریخ حبیب السیر جلد ۱ جز ۲ صـ۷۶۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۱ صـ۱۲۱۔ صحیح بخاری پارہ ۲ صـ۲۳۸۔ کتاب الصلواۃ پارہ ۱۹ کتاب التفسیر صـ۲۴۱۔ تاریخ ابوالفدا جزو ۱ صـ۱۵۰۔ مستدرک حاکم جز ۳ صـ۱۳۳ کتاب معرفت الصحابہ، تاریخ خمیس ج ۲ صـ۱۵۶ تفسیر الدر المنثور ج ۳ صـ۲۰۹ و صـ۲۱۰۔ تاریخ کامل جلد ۲ صـ۱۱۱ تاریخ طبری ج ۳ صـ۱۵۴۔

امارتِ حج تھا۔ تو حضرت علیؑ کی سرداری میں حج کا قافلہ آگے چلا گیا۔ اگر حضرت ابوبکر امیرِ حج تھے تو پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں راستہ ہی سے پلٹ آنے کے کیا معنی؟

۹۔ حضرت عمر کا عذر کہ دُعابہ (مزاح) کی وجہ سے حضرت علیؑ امارت کے لائق نہیں غلط ثابت ہُوا۔

واقعہ مباہلہ

نجران مکّہ معظمہ سے ستّر اسّی میل کے فاصلہ پر ایک وسیع ضلع تھا۔ جہاں عرب، عیسائی آباد تھے۔ یہاں مسیحیوں کا ایک عالی شان کلیسا بھی تھا۔ جسے وہ خانۂ کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، آنحضرتؐ نے نجران کے علماء کو دعوت دی۔ چنانچہ وُہ مدینہ آئے۔ اور حضورؐ سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ حضورؐ نے ہر بات کا مناسب جواب مرحمت فرمایا۔ مگر جواب پانے کے باوجود وُہ کٹ حجتی کرنے لگے، بنا بریں حکم پروردگار کے مطابق سرکارِ دوعالمؐ نے انہیں مباہلہ یعنی قسما قسمی کی دعوت دی پہلے تو یہ تیار ہوگئے۔ لیکن جب آنحضرتؐ حضرت علیؑ امام حسنؑ امام حسینؑ اور سیّدہ عالمؑ کو لے کر جاتے مقررہ پر پہنچے تو رعب عصمت سے اتنے متاثر ہوئے کہ اعترافِ شکست کرنا پڑا۔ سرکارِ دوعالمؐ فرماتے تھے کہ اگر نصاریٰ نجران مباہلہ کرتے تو اس دشت میں آگ برسنے لگتی، یہ واقعہ قرآن میں موجود ہے۔

سترھواں باب

تبلیغِ اسلام قومی سلطنت، حجۃ الوداع، واقعہ غدیرِ خم

ولی عہدی سرکارِ ولایت، علی مرتضیٰؑ

سیاسی و مذہبی کام کی تکمیل

تبلیغِ اسلام

فتح مکّہ کے بعد اسلام نہایت سرعت سے پھیلنے لگا۔ بہت سے قبائلِ عرب بغیر کسی تبلیغ کے مسلمان ہوگئے۔ غزوۂ تبوک کے بعد سرکارِ رسالتؐ نے تبلیغ کی مہم کو زیادہ تیز کردیا۔ یمن ایران کے ماتحت عرب صوبہ تھا اس کے ایک قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمر نے اسلام قبول کیا اس کے اثر و رسوخ سے اس قبیلہ کے اکثر افراد مسلمان ہوگئے۔ حضرت ابوہریرہ اسی قبیلہ سے تھے۔ اشعر قبیلہ کے لوگ خود بخود مسلمان ہو رہے تھے۔ مشہور صحابی ابوموسیٰ اشعری اسی قبیلہ سے تھے۔ یمن کا ایک قبیلہ ہمدان تھا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے عامر بن شہر کو تحقیقات کے لئے مدینہ بھیجا۔ یہ بزرگوار سرکارِ رسالتؐ کی شخصیت، اخلاق اور تعلیماتِ اسلام سے بہت متاثر ہُوئے۔ خود شرفِ اسلام سے مشرف ہوتے اور واپس جاکر اپنے قبیلہ کو اسلام سے مشرف کیا۔

تبلیغ میں خالد بن ولید کی ناکامی اور علیؑ مرتضیٰ کی کامیابی

سرکارِ رسالتؐ نے یمن میں ایک باقاعدہ تبلیغی مشن خالد بن ولید کی سرکردگی میں بھیجا۔ انہیں وہاں ناکامی

ہوئی۔ چھ مہینے کے بعد ان کی جگہ مولا مرتضیٰ علیؑ کو روانہ فرمایا۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے ہمدان، مذحج اور جذیمہ کے قبائل مسلمان ہو گئے۔

عدن اور زبید میں ابوموسیٰ اشعری، رنجنر میں معاذ بن جبل اور صنعا میں خالد بن ولید نے تبلیغ کے فرائض انجام دیئے اور اسلام پھیل گیا۔ بحرین عمان اور شام کے دُور دست مقامات میں بھی مبلّغین کی مساعی جمیلہ سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اور عرب کا گوشہ گوشہ اسلام کے نور و ضیا سے چمک اُٹھا۔

عام الوفود

۱۰ھ، ۶۲۹ء، ۶۳۰ء وفود کا سال کہلاتا ہے عرب کے مختلف قبیلوں نے مدینہ میں وفود بھیج کر اسلام قبول کیا اور دولتِ اسلامیہ مدینہ سے وفاداری کے معاہدے کئے۔

قومی حکومت اور قیامِ امن

۱ھ میں مملکتِ مدینہ کی پوزیشن ایک شہری حکومت سے زیادہ نہ تھی، دس سال کے قلیل عرصہ میں وُہ قومی سلطنت ہو چکی تھی سارا ملک اُس کی سیاسی اور مذہبی قیادت میں آچکا تھا۔ پیغمبرِ امن نے کامل طور پر اندرونی امن قائم کر دیا تھا۔ خارجی فتنوں سے عرب مامون ہو چکا تھا۔ صیہونی حکومت کے خواب پریشان ہو چکے تھے، یہودی اور عیسائی مملکت کے محاصل و ٹیکس باقاعدہ ادا کر رہے تھے اور اپنی وفاداری کا یقین دلا رہے تھے۔ انہیں حقوقِ شہریت عطا کئے گئے تھے اور وہ مذہبی آزادی سے مستفید تھے۔

سرکارِ رسالتؐ اپنا کام مکمل کر چکے تھے

ایک یورپین مورّخ مارگیو لوس اس سلسلہ میں اس طرح رقم طراز ہے۔

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا۔ آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی اور

مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا۔ بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپؐ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا مستحکم رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔" لہ

حجۃ الوداع

سرکارِ رسالتؐ نے ۱۰ھ میں حج کا قصد فرمایا۔ یہ حضورؐ کا آخری حج تھا۔ عرب میں عام اعلان ہُوا۔ کہ حضورؐ بہ نفس نفیس حج کے لئے جا رہے ہیں۔ اس اعلان پر عرب کی تعداد کثیر مکّہ میں جمع ہو گئی ایک لاکھ آدمیوں کا اجتماع تھا۔ اللہ اللہ ۱ھ میں جو نبی مکّہ سے جلاوطن ہوا تھا۔ وُہ آج اپنے پیروؤں کی ایک لاکھ جمعیت کے ساتھ فریضۂ حج ادا کر رہا تھا، اور تمام عرب کا روحانی اور سیاسی قائد و سردار تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع

اس موقعہ پر رسولؐ اللہ کے انداز اور گفتگو سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ حضوؐر اب دُنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ حضورؐ نے ۹۔ ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں ایک مبسوط تقریر فرمائی۔ جس کے اہم اقتباسات کو ہم درج کرتے ہیں۔ یہ تقریر آپؐ نے ناقہ القصویٰ پر سوار ہو کر فرمائی تھی۔ لوگو! میری بات غور سے سُنو۔ شاید مجھے پھر تم سے ملنے کا اتفاق نہ ہو۔

امورِ جاہلیت اور غیر اسلامی تمدّن سے نفرت

مسلمانو! میں جاہلیت کے ہر امر کو اپنے پاؤں سے پامال کر رہا ہوں اور جہالت کی سب رسمیں مٹا رہا ہوں۔

مُسلمانوں کے خون کا احترام

جس طرح تم اس مہینہ میں اس دن کا احترام کرتے ہو۔ اسی طرح ایک دُوسرے کے مال و عزّت و آبرو اور خون کا احترام کرتے رہو۔

لہ اسوۃ الرسول جلد ۳ صہ ۱۴۸۔

آخرت کی باز پُرس — اللہ تعالےٰ تمہارے ہر کام کا تم سے حساب لے گا۔ اور عنقریب تم اس کے حضور میں پیش ہوگے۔

خونریزی سے پرہیز — میرے بعد گمراہ ہو کر کشت و خون اور قتل و غارت کو اپنا شعار نہ بنا لینا۔

عورتوں کے حقوق — لوگو! جس طرح عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں۔ اسی طرح ان کے متعلق تمہارے فرائض بھی ہیں۔ ان سے نرمی سے سلوک کرنا اور مہربانی سے پیش آنا۔ اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

غلاموں کے حقوق — لوگو! غلام بھی اللہ کے بندے ہیں۔ ان پر ظلم نہ کرنا اگر ان سے خطا ہو تو معاف کر دینا۔ تم ان کو وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ اور وہی لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

مساواتِ اسلامی — لوگو! یاد رکھو۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے دوسرے پر حلال نہیں، جب تک وہ خود خوشی سے اسے نہ دے۔

خلوصِ عمل و اتحاد — مسلمانو! عمل میں خلوص، مسلمانوں کی خیرخواہی اور جماعت میں اتحاد، یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔

اہلِ بیت ذریعۂ نجات — لوگو! میرے اہلِ بیت تم لوگوں میں مثل کشتی حضرت نوحؑ ہیں۔ تم میں سے جو اس کشتی میں سوار ہوگیا وہ بچ گیا۔ اور جس نے ترک کیا وہ ہلاک ہوا۔ میرے اہلِ بیت مثل باب حطہ بنی اسرائیل ہیں۔ تم میں سے جو اس احاطہ میں داخل ہوا۔ وہ بخشا گیا۔ [1]

(حاشیہ صفحہ ۱۵۱ پر)

ذریعہ ہدایت قرآن و اہلِ بیتؑ — لوگو! میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کہ اگر تم ان کے ساتھ تمسک کروگے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے، ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ کتاب اللہ تو ایک لمبی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک ہے اور میری عترت و اہلِ بیتؑ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ پس دیکھو، میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کس طرح متمسک ہوتے ہو۔ [1]

خاتم الانبیاءؐ — لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر آئے گا۔ اور نہ کوئی اور جدید اُمّت پیدا ہونے والی ہے۔

علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں — لوگو! علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔

عبادتِ الٰہی — لوگو! اپنے اللہ کی عبادت کرو۔ اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ماہِ مبارک رمضان میں ایک مہینہ کے روزے رکھو۔ اپنے مال کی رضا کارانہ زکوٰۃ ادا کرو۔ خانۂ خدا کا حج کرو۔ آخر میں ارشاد فرمایا۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ وہ ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ تبلیغ کریں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ بہتر طریقہ پر اس

(بقیہ ص۱۵۰ سے آگے) ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی بلخی ج اوّل ص۲۸ بروایت حضرت ابوذر غفاری نے جس حدیث کا حضرت ابوذر کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حجۃ الوداع میں فرمایا ہے۔

[1] ترمذی بروایت ابوسعید و زید بن ارقم وخلیفہ بن اسید و زید بن الحسن و بروایت ابوذر کمافی ینابیع المودۃ۔

کلام کو یاد رکھیں اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوں۔

آخری حج کے مقاصد

اس حج سے رسولؐ اللہ کے مختلف مقاصد تھے تذکرہ اسلاف حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ کی یادگار منانا بلکہ عملاً سعی میں حضرت ہاجرہؑ کی دوڑ کی نقل آتارنا حضرت اسماعیلؑ کے قربانی کے جانور کو شعائر اللہ قرار دے کر اس کی تعظیم کی تلقین فرمانا۔ صفا و مروہ دو پہاڑیوں کو جو تشنگی حضرت اسماعیلؑ اور مساعی ہاجرہؑ کی یادگار ہیں۔ شعائر اللہ قرار دے کر ان کی عملاً تعظیم کا نمونہ پیش کرنا۔ صحیح توحید اور مصنوعی توحید میں امتیازی حدود قائم کرنا، مشرکانہ رسوم کا ابطال اور تبلیغِ اسلام۔ اسی لئے اس حج کو حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔

اعلانِ ولی عہدی علی مرتضیٰ بہ خمِ غدیر

مکّہ سے روانہ ہو کر جب سرکارِ رسالتؐ مقام جحفہ پر پہنچے جو اہلِ شام کا میقات ہے اور ایک بستی ہے۔ اور قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر حضورؐ وہاں سے تین میل آگے نکل گئے۔ یہاں پر غدیر خم کا میدان ہے۔ اسی جگہ حضورؐ پر وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں ارشاد ہوا۔ "یا ایها الرّسول بلغ ما انزل الیك من ربّك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من النّاس"

(المائدہ پ۶ ع ۱۰)

"اے رسولؐ (امت تک) پہنچا دو۔ (وہ پیغام) جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اگر تم نے عملاً ایسا نہ کیا تو خدا کی رسالت ہی ادا نہ کی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"[1]

---

[1] خم غدیر کے موقعہ پر یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ تفسیر منثور جلد ۲ صـ۲۹۸ اسباب نزول القرآن واحدی ما انزل من القرآن فی علی واحدی۔ تفسیر ثعلبی، تفسیر کبیر فخرالدین رازی،
(بقیہ صفحہ ۱۵۳ پر)

چنانچہ خم ایک تالاب کے کنارے تمام صحابہ کو روک دیا گیا جو آگے بڑھ گئے تھے، انہیں واپس بُلا لیا اور جو پیچھے آ رہے تھے۔ ان کا انتظار ہوا۔ چونکہ یہ مجمع ایک لاکھ اور بروائتے ایک لاکھ بیس ہزار کا تھا۔ جس کے لئے وسیع میدان کی ضرورت تھی۔ اور ساحل غدیر خم کے ساتھ ایک وسیع میدان تھا۔ جو راستہ سے ڈیڑھ کوس پر واقع ہے۔ یہ مقام ٹھہرانے کی جگہ نہیں۔ شدید گرم جگہ ہے۔ مگر اتنے مجمع کے لئے کسی اور جگہ گنجائش نہیں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکمِ الٰہی کی اہمیّت کی وجہ سے یہیں ٹھہرنا پڑا۔ یہ مقام ایسا تھا۔ جہاں سے مختلف رستے پھٹتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کر سارا مجمع مختلف گروہوں میں بٹ جاتا۔ غدیر خم ایک ناہموار میدان تھا اور سارا کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپؐ نے حکم دیا۔ کہ کانٹوں سے زمین صاف کی جائے اور ببول کے درختوں کی شاخیں تراشی جائیں۔ تاکہ لوگوں کے سروں پر نہ لگیں۔ اونٹوں کے کجاوں کو جمع کر کے ایک منبر بنایا گیا۔ یہ سارا اہتمام بتلا رہا ہے کہ نہایت تاکیدی حکم تھا۔ حضورؐ منبر پر تشریف لے گئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے ہم مختصراً خصائص نسائی سے نقل کرتے ہیں۔

خطبہ

جب جناب رسالت مآبؐ نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور مقام خم غدیر میں نزولِ اجلال فرمایا۔ تو حکم دیا کہ منبر تیار کیا جائے۔ چنانچہ منبر تیار کیا گیا اور آنحضرتؐ نے اس پر رونق افروز ہو کر فرمایا:۔

"میں جنابِ باری کی بارگاہ میں بُلایا گیا ہوں اور میں نے حکمِ الٰہی کو قبول

(بقیہ صفحہ ۱۵۲ سے آگے) مطالب السئول تفسیر غرائب القرآن۔ فصول المہمہ، عمدۃ القاری۔ کتاب التفسیر، تفسیر شاہی، کتاب اربعین جمال الدین محدث۔ توضیح الدلائل مفتاح النجا۔ حلیتہ الاولیاء، کتاب المناقب ابنِ مردویہ۔

کرلیا ہے۔ اَب میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرے اپنے اہلِ بیتؑ اور یہ دونوں ایک دُوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔ پس دیکھو اور غور کرو کہ میرے بعد قرآن اور اہل بیتؑ سے کیونکر برتاؤ اور تمسک کرتے ہو۔ پھر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ سُنو میرا مولا اللہ تعالےٰ ہے اور میں کل مومنین کا ولی ہوں۔ بعد ازاں حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ جس کا میں ولی ہوں۔ علیؑ بھی اس کا ولی ہے۔ خداوند دوست رکھ اسے جو علیؑ کو دوست رکھے اور دُشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ [1]

اس واقعہ کو تقریباً ۱۵۲ علمائے اہلِ سُنّت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اور تقریباً چالیس جلیل الشان نے روایت کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی دستار بندی

خطبہ کے بعد جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کے سر پر عمامہ باندھا اور اس کی تحت الحنک پیچھے کی طرف لٹکا دی۔ [2]

صحابہ کی اس واقعہ پر مُبارک باد

اس عظیم الشان واقعہ پر تمام صحابہ نے حضرت علیؑ کو مبارک باد دی۔ حتیٰ کہ امہات المومنین نے بھی ہدیۂ تہنیت پیش کیا۔ [3]

---

[1] اکثر کتب فریقین میں ولی کی جگہ مولا کا لفظ ہے۔ [2] ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ الاصابہ جلد ۲ ترجمہ علی۔ کنز العمال جز ۸ صفحہ ۶۰ حدیث ۱۲۰۹ و ۱۲۱۳۔ مسند ابو داؤد طیالسی، فراد المظین اشعتہ اللعات جز ۴ صفحہ ۳۷۱ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۵۔

[3] قرۃ العین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مسند احمد حنبل، تذکرہ خواص الامہ۔ معارج النبوۃ تاریخ احمدی۔

شعرائے دربارِ رسالت نے قصائدِ تہنیت پڑھے

چنانچہ حسان بن ثابت نے قصیدۂ تہنیت پڑھا [1] اور اسی موقعہ پر عمرو بن عاص نے مبارک باد میں قصیدہ پڑھا۔ [2] بلکہ سعد بن عبادہ انصاری نے بھی اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔ [3]

اس سارے واقعہ کے بعد آیۂ اکمال دین و اتمام نعمتِ الٰہی نازل ہوئی جس کے الفاظ اس طرح پر ہیں۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی
و رضیت لکم الاسلام دیناً ط (پ ۶۔ مائدہ ۳)

"آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پُورا کر دیا۔ اور میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا"۔ اس پر آنحضرتؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ شکر ہے۔ اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت پر اور اس امر پر کہ خداوند تعالےٰ میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر رضا مند ہوا۔ پھر فرمایا خداوندا دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ [4]

واقعہ خم غدیر کا مخالفین علیؑ پر ردِّ عمل

جناب امیر علیہ السّلام کا اعلانِ ولی عہدی منافقین اور دشمنانِ علیؑ پر نہایت شاق گزرا۔ کیونکہ ان کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اب انہوں نے لوگوں کے یہ ذہن نشین کرنے کی کوشش شروع کی کہ یہ اعلانِ خلافت خدا کی طرف سے نہیں ہُوا۔ بلکہ سرکارِ رسالتؐ اپنے خاندان میں ہمیشہ کے لئے

---

[1] الازہار فی عقدۃ الاشعار جلال الدین سیوطی۔ [2] مناقب اخطب خوارزم۔

[3] تذکرہ خواص الامہ باب ۲ صفحہ ۲۰ حبیب السیر، روضۃ الاحباب، مسند احمد حنبل الجز ۴ صفحہ ۲۸۱۔

[4] فرائد السمطین، توضیح الدلائل۔ تفسیر درمنثور جز ۲ صفحہ ۲۵۹ مانزل من القرآن فی علی۔

حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ خیال لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تو ہم رسولؐ اللہ کے انتقال کے بعد جسے چاہیں گے خلیفہ بنا سکیں گے۔

(حاشیہ شرح جامع صغیر سیوطی)

چنانچہ ایک شخص حارث ابن نعمان فہری نے اس جماعت کے خیالات کی ترجمانی اور نمائندگی کا حق ادا کیا۔

حارث بن نعمان فہری کا واقعہ

جب واقعہ غدیر کی خبر عام ہوئی تو ایک شخص حارث بن نعمان ناقہ پر سوار ہو کر رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ناقہ کو ایک طرف باندھ کر حضورؐ کے پاس آیا اور سرکارِ رسالتؐ کو اس طرح مخاطب کیا۔

"اے محمدؐ! تم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدا کو ایک اور تم کو اس کا رسولؐ مانیں، ہم نے مان لیا۔ تم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم پانچ وقت نماز پڑھیں اور ماہِ رمضان کے روزے رکھیں اور حج کریں، ہم نے تسلیم کر لیا۔ تم اس پر بھی راضی نہ ہوتے اور اب تم نے اپنے ابنِ عم کو بازو پکڑ کر اٹھایا اور ہم پر فضیلت دی۔ کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ اب بتلاؤ کہ علیؑ کا مولا ہونا تمہارا طبعزاد ہے۔ یا یہ بھی خدا کی طرف سے ہے"؟ رسولؐ اللہ نے فرمایا "قسم ہے اللہ کی۔ جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ یہ امر بھی خدا کی طرف سے ہے"۔ یہ سُن کر حارث یہ کہتا ہوا ناقہ کی طرف روانہ ہوا۔ خدایا اگر یہ بات جو محمدؐ نے کہی ہے حق ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر گرا، یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج۔ ابھی وہ اپنے ناقہ تک نہیں پہنچا تھا۔ کہ اللہ نے اس پر آسمان سے پتھر برسایا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج - (سورہ المعارج پ ١٩ ع ١)

"مانگنے والے نے اُوپر سے گرنے والے پتھر کے عذاب کو مانگا۔ جس سے کافروں کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ خدائی درجات والے کی طرف سے نازل ہونے والا عذاب [1]

واقعہ عقبہ

اس ردِّ عمل کا ایک واضح ثبوت واقعہ عقبہ ہے جن منافقین نے قتل رسولؐ کا قصد کیا۔ وہ پندرہ آدمی تھے ان لوگوں نے آپس میں اس بات پر عہد کیا، کہ حضرت جس وقت شب کو وادی میں عقبہ پر چڑھیں۔ اس وقت آپؐ کو سواری سے گرا دیں۔ عمّار یاسر ناقہ کی مہار تھامے ہوئے تھے۔ اور حذیفہ پیچھے سے ہنکار رہے تھے۔ حذیفہ کو اونٹوں کی آہٹ معلوم ہوئی اور ہتھیاروں کی جھنکار سُنی۔ مڑ کر دیکھا، کچھ لوگ نقاب سے مُنہ چُھپائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا، دُور ہو، دُور ہو اے دشمنانِ خدا۔ رسولؐ اللہ نے ان لوگوں کے نام حضرت حذیفہ کو بتلا دیئے تھے۔ جنہوں نے قتلِ رسولؐ کا قصد کیا تھا۔ اور حضرت حذیفہ کو حکم دیا تھا۔ کہ ان لوگوں کے ناموں سے لوگوں کو آگاہ نہ کریں۔ اسی وجہ سے حذیفہ کو صاحبِ سِرِّ رسولؐ اللہ کہتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے ان لوگوں کو قتل اس لئے نہ کیا۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں، کہ پہلے مصطفےٰؐ نے کفار و مشرکین کو قتل کیا۔ خونریزی سے طبیعت سیر نہ ہوئی۔ پھر اپنوں کو قتل کرنے لگے۔ نام اس لئے نہ بتلاتے تاکہ یہ لوگ علانیہ خلاف ہو کر اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔ [2]

---

[1] تفسیر القرآن ثعلبی، تذکرہ خواص الامہ باب الثانی۔ کتاب الاکتفا فی فضائل الاربعہ الخلفاء، معارج الوصول ہدایت السعداء، جواہر العقدین، کتاب اربعین سید جمال الدین، فیض القدیر شرح جامع صغیر، عقد نبوی در مصطفوی، صراط سوی محمود بن القاری۔ انسان العیون، وسیلۃ المال، تفسیر شابی معارج العلیٰ روضۃ الندیہ، ذخیرۃ المال۔ نور الابصار۔

[2] روضۃ الاحباب۔ استیعاب باب حذیفہ، تفسیر کبیر، مسند احمد حنبل الجزو الخامس ص ٣٩٠۔ احیاء العلوم غزالی۔ معارج النبوۃ باب ١٢ رکن چہارم ص ٢٠١۔

اٹھارھواں باب

جیشِ اسامہؓ کی تیاری، علالت سرکارِ رسالتؐ، واقعۂ قرطاس واقعۂ سقیفہ، رسولؐ اللہ کی حضرت علیؑ سے رازگوئی، وفات، تجہیز و تکفین

جیشِ اسامہؓ کی تیاری

(جنگِ موتہ میں) حضرت زید بن حارثہ کو حدودِ شام کے عربوں نے شہید کرڈالا تھا۔ آنحضرتؐ ان سے قصاص لینا چاہتے تھے آغازِ علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اسامہ بن زید کو مامور کیا۔ کہ وہ فوج لے کر شام کی طرف جائیں اور شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔[1] جنگِ موتہ جمادی الاوّل ۸ھ کا واقعہ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکارِ رسالتؐ نے تقریباً دو سال سات مہینے تک قصاص کا قصد کیوں نہ فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم علم لدنی رسولؐ اللہ نے جو واقفِ اسرارِ خفی و جلی تھے۔ مناسب نہ سمجھا کہ اس شکست کا بدلہ اسی وقت لیا جاتے۔ بلکہ اس کو ایک خاص وقت کے لئے ایک خاص مقصد کے پیشِ نظر ملتوی فرمادیا۔ جنگِ موتہ جمادی الاوّل ۸ھ میں ہوئی۔ رمضان ۸ھ میں مکّہ فتح ہوا۔ خانہ کعبہ سے بُت نکالے گئے۔ شوال ۸ھ کو جنگِ حنین ہوئی۔ پھر محاصرۂ طائف ہوا۔ رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک ہوا۔ پھر چاروں طرف وفود بھیجے گئے۔ آخر موتہ کے قصاص کو دو سال سات مہینے ملتوی کرکے اس مہم

[1] سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۱۳۴۔

کو عین اپنی علالت سے پہلے کیوں آغاز کیا گیا ؟

رسولؐ اللہ جانتے تھے کہ بعض حضرات میرے بعد علیؑ کی خلافت نہیں چاہتے۔ میری رحلت کا وقت قریب آگیا ہے اگر ایسے لوگ میری رحلت کے وقت مدینہ سے دُور ہوں گے۔ تو اپنے منصوبوں کو عمل میں نہیں لاسکیں گے، اور اس طرح میری تمنّا کے مطابق اُمّت کو صراطِ مستقیم پر چلانے والا منصوص من اللہ ہادی مل جائے گا۔

علالت سے ایک روز قبل آپؐ نے جیشِ اسامہ کی ترتیب فرمائی۔ سوائے علیؑ و بنو ہاشم سب صحابہ کو شامل ہونے کا حکم دیا۔[1] حالانکہ جعفرِ طیار کے قصاص کے لئے بنو ہاشم اور علیؑ کو شریک کیا جاسکتا تھا۔ اس لشکر میں خصوصیّت سے بڑے بڑے مہاجر و انصار حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت سعد بن وقاص، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہم جیسے جلیل الشان صحابی ایک غلام زادہ کے زیرِ کمانڈ جس کی عمر صرف انیس، بیس برس کی تھی، روانہ کئے جارہے ہیں۔ لیکن اس صورت میں یہ اکابرِ ملّت جانا نہیں چاہتے، (خصوصاً جب کہ حضورؐ کی علالت کا سلسلہ بھی شروع ہوچکا تھا) جب رسولؐ اللہ کو یہ علم ہُوا۔ تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے باوجودیکہ بخار کی شدّت تھی۔ دردِ سَر بھی تھا۔ آپ سَر پر پٹّی باندھ کر گھر سے نکلے۔ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔

"اے گروہِ مردم! یہ کیا بات ہے جو تم اسامہ کو امیر بنانے کے متعلق کررہے ہو۔ تم لوگوں نے اس کے باپ کی امارت کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں کی تھیں۔ خدا کی قسم وُہ امارت کے لائق ہے، اور اس

[1] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۲۰ و صفحہ ۵۲۱۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۸۸ و صفحہ ۱۸۹ تاریخ کامل ج ۲ صفحہ ۱۲۰ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صفحہ ۷۷۔

کا باپ اسی طرح لائق تھا۔ اس کے بعد آپؐ منبر سے اُتر کر تشریف لے گئے۔ ۱؎

الغرض رسول اللہ کی شدتِ مرض بڑھتی گئی۔ اور مامورینِ لشکر اسامہ نے مدینہ نہ چھوڑا۔

اس واقعہ میں چند امور قابلِ غور ہیں۔

۱۔ اسامہ کے لشکر کو جنگِ موتہ کی شکست اور زید کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے مرتّب کیا گیا تھا۔ حضرت جعفر طیارؓ، حضرت علیؑ کے بھائی بھی اسی جنگ میں شہید ہوتے تھے۔ تاہم بنی ہاشم یا علیؑ کو اس جنگ میں نہیں بھیجا۔

۲۔ جنگِ موتہ کو دو سال سات ماہ گزر چکے تھے، اب حدود شام کے نصرانیوں کی طرف سے پہل بھی نہیں ہوئی تھی۔

۳۔ رسول اللہ اَب جنگ کے لئے باوجود علالت جلدی فرما رہے تھے۔ اور اس میں ڈھیل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

۴۔ بنو ہاشم، حضرت علیؑ بلکہ ان کے رفقا عمار یاسر، مقداد، ابوذر اس جنگ میں مامور نہیں کئے گئے۔

۵۔ اس کے برعکس مشاہیر صحابہ عبدالرحمٰن بن عوف۔ طلحہ و زبیر، ابو عبیدہ ابن الجراح حضرت ابوبکر و حضرت عمر اسامہ کے ماتحت مامور ہوتے۔

۶۔ سرکارِ رسالتؐ کی تاکید کے باوجود لوگ نہیں گئے۔

۷۔ افضل کی موجودگی میں مفضول حاکم و والی نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر صحابہ کو اعتراض تھا اور اسی اصول کو صحیح مان کر آپ نے کہا کہ اسامہ تم سے بہتر ہے۔

۱؎ مدارج النبوۃ جلد۲ ص۵۳۰، ص۵۳۱ تاریخ خمیس جلد۲ ص۱۷۱ تاریخ طبری ج۳ ص۱۸۸ و ص۱۸۹ تاریخ کامل جلد۲ ص۱۲۰ حبیب السیر جلد۱ جزو۳ ص۲۲۔

۸۔ جو لوگ رسول اللہ کی زندگی میں احکامِ رسالتؐ کی تعمیل میں اس طرح اغماض کر رہے ہوں۔ ان سے بعد رحلتِ سرکارِ رسالتؐ حضرت علیؑ کی جانشینی کا قبول نہ کرنا بعید نہیں ہے۔

قضیۂ قرطاس

سرکارِ رسالتؐ کو علی علیہ السّلام کی خلافت کے متعلق اپنے بعض صحابہ کے ارادوں کا پتہ چلتا جاتا تھا۔ جیشِ اسامہ کی مہم نے ان کی تجویزوں پر سے تمام پردے اٹھا دیئے تھے۔ آپ کی شدتِ مرض بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور لوگ بھی سمجھ رہے تھے کہ اَب حضورؐ کا آخری وقت ہے رسول اللہ نے حجت پوری کرنا چاہی اور مناسب سمجھا کہ وصیّت کو تحریر کر دیا جائے، ابنِ عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ پر سختی مرض بڑھی۔ تو رسالت کدہ میں عمر ابن خطاب اور دیگر حضرات موجود تھے۔ سرکارِ رسالتؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ آؤ میں تمہارے لئے ایسا وثیقہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر بولے کہ حضورؐ پر ہذیانی کیفیت طاری ہے۔ وصیّت وغیرہ کی کیا ضرورت ؟ ہمارے پاس تو قرآن شریف موجود ہے اور کتاب اللہ ہی محض ہمارے لئے کافی ہے اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا۔ ان میں سے بعض تو یہ کہتے تھے۔ کہ رسول اللہ کے ارشاد کی تکمیل کرو۔ اکثر وہ کہتے تھے۔ جو حضرت عمر نے کہا۔ جب بہت شور و غل ہوا۔ تو جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ چنانچہ ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ کہ مصیبت اور سخت مصیبت تھی۔ جو ان لوگوں کے شور و شغب کی وجہ سے رسول اللہ کے ارادۂ کتابت وثیقہ میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کچھ نہ لکھ سکے۔ ۱؎

۱؎ صحیح مسلم الجزء الخامس، کتاب الوصیۃ ص۷۵۔ ص۷۶ مطبوعہ محمد علی بمیدان الازہر مصر۔ بخاری میں یہ روایت ۷ جگہ موجود ہے۔ کتاب الجہاد والیسر کتاب الاعتصام باب کراہتہ الاختلاف، مسند احمد حنبل الجزء الاوّل ص۳۳۶ و ص۳۵۵ کنز العمال، مشکوٰۃ، کتاب الفتن ص۵۴۸ مطبع مجتبائی۔ طبقات ابن سعد کتاب الملل والنحل وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے قلم دوات کیوں نہ دیا۔ اوّل تو حضرت علیؑ کا وہاں موجود ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ اگر موجود بھی تھے تو مخالف گروہوں میں جوش اتنا بڑھ گیا تھا کہ حضرت علیؑ کے قلم دوات پیش کرنے پر ہنگامہ بپا ہو جاتا۔ جو حضورؐ رسالت میں شایان نہ تھا۔ نیز کہنے والے کہتے ہیں کہ سرکارِ رسالتؐ کی شدّتِ مرض میں اور حضورؐ کی بے ہوشی کی حالت میں علیؑ نے جو چاہا لکھ لیا۔ غرضیکہ بعض صحابۂ کرام کے طرزِ عمل سے ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تھی جس نے وصیّت کا مقصد ہی فوت کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد پھر نہ سرکارِ رسالتؐ کے پاس ایسا مجمع ہوا۔ نہ آپؐ اس خواہش کا اظہار کر سکے۔ اس صدمہ کے بعد جو صحابہ کے اس رویہ سے سرکارِ رسالتؐ پر ہوا۔ حضورؐ کا مرض بڑھتا گیا۔

واقعۂ سقیفہ

ابو جعفر نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت حضرت ابو بکرؓ سنخ میں تھے اور حضرت عمرؓ مدینہ میں موجود تھے۔ جب حضرت ابو بکرؓ کو حضورؐ کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ مدینہ آئے اور رسول اللہ صلعم کو دیکھنے کے لیے گھر میں آئے۔ حضرت علیؑ اس وقت رسول اللہ صلعم کے جنازے کی تیاری میں مصروف تھے۔ [1]

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ الانصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد انصار نے آپس میں مشورہ کیا کہ مہاجرین تم پر برابر چھاتے جا رہے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی خلیفہ ہو گیا تو تم ہمیشہ ہمیشہ ان کے تابع بنے رہو گے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اپنے خاندان کے بزرگ سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا لینا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ سعد بیمار تھے، انصار ان کو باہر لے آئے۔ وہ چادر اوڑھے ہوئے بیچ میں بیٹھ گئے۔

سعد نے تقریر کی: "اے گروہ انصار! جو فضیلت تم کو حاصل ہے وہ عرب کے کسی قبیلے کو حاصل نہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ نے اسلام کی تعلیم دی تو ان

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم۔

پر ان کی قوم کے ایمان لانے والے اتنے کم تھے کہ وہ ظالموں سے اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ نے تمہارے ذریعے ان کی مدد فرمائی اور تم نے وہ کام کیا کہ جس سے تمام عربوں نے اللہ کے حکم کے سامنے گردنیں جھکا دیں۔ لہٰذا اب سب کے مقابلے میں تم کو یہ حکومت اپنے قبضے میں کر لینی چاہیئے۔"

اسی اثنا میں ایک شخص ابو عبیدہ دوڑتا ہوا حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ بنی ساعدہ کی چوپال میں انصار جمع ہو کر اپنے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس اطلاع پر حضرت عمرؓ رسول اللہ کے مکان پر آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو جو اندر تھے بلوایا۔ ابو بکرؓ باہر آئے۔ عمرؓ نے کہا کہ انصار بنی ساعدہ کے سقیفہ میں جمع ہو کر سعد بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں۔ دونوں شتاب روی سے انصار کے پاس چلے اور ابو عبیدہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جس وقت ہم سقیفہ بنی ساعدہ میں آئے، اس وقت ایک شخص تقریر کر رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ ہم سے حکومت کو غصب کرنا چاہتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: "جب رسول اللہ نے اعلان کیا کہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی جائے تو یہ پیام بت پرست تمام عربوں کو ناگوار ہوا۔ اس وقت آپ کی تصدیق مہاجرینِ اوّلین نے کی۔ وہ اپنی قلتِ تعداد اور ظلم سہنے کے باوجود کبھی خائف نہیں ہوئے۔ مہاجرین سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ وہ رسول اللہ کے خاندان والے بھی ہیں۔ لہٰذا وہی منصبِ امارت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اور جہاں تک تم انصار کا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری فضیلت اور خدمت کا کوئی منکر نہ ہو گا۔ تم نے رسول اللہ کی حمایت کی بے شک ہماری نظر میں مہاجرین کے بعد سب سے زیادہ تمہاری منزلت ہے۔ لہٰذا مناسب ہو گا کہ امیر ہم ہوں اور وزیر تم۔"

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اس تجویز پر حاضرین میں ایک شور و غوغا بلند

ہوگیا۔ انصار لڑنے پر تیار تھے۔ مگر امارت دینے پر تیار نہ تھے۔ مجھے اختلاف کا اندیشہ ہوا۔ میں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔ ہاتھ لاؤ، میں تمہاری بیعت کروں۔ انھوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے بیعت کی۔ ابو عبیدہ نے بیعت کی پھر تمام مہاجرین و انصار بیعت کرنے لگے۔"

نوٹ : اب اگر علیؑ سقیفہ کے دونوں گروہوں کے مقابلے میں آکر خلافت لیتے ہیں تو خرابی یہ ہے کہ حکومت اور خلافت ایک عہدہ بن جاتا ہے۔ جب تک علیؑ حاکم رہتے، اس وقت تک اسلام بھی رہتا۔ علیؑ کے بعد جو بھی آتا، وہ اسلامی قوانین کو ہٹا کر اپنے قوانین نافذ کرتا۔ اس طرح اسلام ختم ہوجاتا۔ اس لئے علیؑ نے حکومت چھوڑ کر خلافت اور حکومت کے دو الگ الگ عہدے ظاہر کر دیئے۔ امام حسنؑ نے بھی یہی کیا کہ صلح کر کے حکومت الگ کر دی اور امامت الگ کر دی۔ امام حسینؑ نے بھی یہی کیا کہ جب یزید نے حکومت اور خلافت ایک عہدہ کرنے کے لئے بیعت مانگی تو عظیم الشان قربانی دی اور بیعت سے انکار کر کے دونوں عہدوں کو ایک عہدہ نہ ہونے دیا۔

حضرت علیؑ کی یاد اور بعض اُمہات المومنین کی حسرتیں

اس مرض کے دوران میں

سرکار رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ کہ علیؑ کو میرے پاس بلاؤ۔ حضرت عائشہ نے کہا۔ کاش آپ ابو بکر کو بلاتے اور حفصہ نے کہا کاش آپ عمر کو بلاتے۔ پس اتنے میں یہ حضرات وہاں جمع ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے جب حضرت علیؑ کو نہ دیکھا تو

۱؎ صحیح مسلم الجزء الثانی کتاب الصلوٰۃ ص۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۵ صحیح بخاری کتاب الاذان و کتاب الاعتصام سنن ابن ماجہ ص۱۱۸۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۲۳ طبری جلد ۳ ص۱۹۵۔

فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اگر تمہاری ضرورت ہوگی تو میں خود تمہیں بلا لوں گا۔ ۱؎

ایام مرض میں آنحضرتؐ نے فرمایا، کہ میرے بھائی علیؑ کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے اور آپ کے سرہانے بیٹھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا سر تکیہ سے اُٹھایا اور حضرت علیؑ کو اپنی بغل میں لے لیا۔ اور آنحضرتؐ کا سر آپ کے بازو پر تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ! فلاں یہودی سے میں نے تجہیز جیش اسامہ کے لئے کچھ قرض لیا تھا۔ دیکھو ضرور بالضرور اسے میری طرف سے ادا کر دینا۔ اے علیؑ تم پہلے وُہ شخص ہوگے۔ جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے، میرے بعد تم کو بہت سے مصائب اور تکالیف پہنچیں گی۔ تمہیں چاہیئے کہ دل تنگ نہ ہوا اور صبر کرو اور جب دیکھو کہ لوگوں نے دنیا اختیار کی تو تم آخرت اختیار کرنا۔ ۲؎

جناب رسولِ خدا نے اپنے مرضِ موت میں فرمایا۔

اے لوگو! غالباً میں بہت جلد رحلت کر جاؤں گا۔ اور خدا کا فرستادہ مجھ کو لے جائے گا۔ پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں اور اَب پھر کہتا ہوں۔ تاکہ تمہیں کوئی عذر باقی نہ رہے، خبر دار میں تمہارے درمیان کتاب خدا اور اپنی عترت چھوڑے جاتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا، یہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے، حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں پس اِن دونوں ہی سے پوچھتے رہنا، کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے۔ ۳؎

سرکارِ رسالتؐ کی زندگی کے آخری لمحات

رسول اللہؐ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں حضرت علیؑ ہی

۱؎ تاریخ طبری الجزء الثالث ص۱۹۵ و قائع سنۃ الحادیہ عشرہ ۲؎ تاریخ روضۃ الاحباب۔
۳؎ صواعق محرقہ لابن حجر مکی الباب التاسع فصل الثانی۔ ص۷۵۔

کے پاس تھے، حضورؐ کا سرمبارک آغوشِ علیؑ میں تھا۔ کہ حضرتؐ نے رحلت فرمائی حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ کا وقتِ وفات قریب آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ۔ میں نے حضرت ابوبکر کو بھیجا۔ جب وُہ آئے تو حضرت نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر تکیہ پر رکھ لیا۔ اور پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ۔ میں نے عمر کو بلایا۔ آپؐ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھ لیا اور پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ۔ پھر میں نے کہا۔ تم پر افسوس ہے علیؑ کو بُلاؤ۔ کیونکہ آپؐ حضرت علیؑ کے علاوہ اور کسی کو بُلانا نہیں چاہتے تھے۔ جب علیؑ آئے اور رسولؐ اللہ نے انہیں دیکھا تو وہ کپڑا جو اوڑھے ہوئے تھے، آپؐ نے اٹھا لیا اور علیؑ کو اس میں داخل کر لیا۔ اور علیؑ کو اپنے سینے سے لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت بھی آپؐ کا ہاتھ علیؑ کے اُوپر تھا۔ [1]

تجہیز و تکفین

یہ امر تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کو آخری غسل جناب امیر علیہ السّلام نے دیا۔ اور حضورؐ کو قبر میں اُتارا۔ [2]

اما میکہ روز وفاتِ پیمبر   خلافت گذار و بماتم نشیند (فیضی)

حضرت ابوبکر و عمر تجہیز و تکفین رسُولؐ اللہ میں شریک نہیں تھے

جب حضرت ابوبکر کو فراغت ہُوئی تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ سے واپس ہوئے اور مسجد نبوی میں منبر پر تشریف

---

[1] یہ فخر الدین رازی اور دار قطنی نے لکھا ہے ارجح المطالب باب چہارم ص۶۹۳ نیز آغوش علیؑ میں ہونے کے متعلق دیکھو طبقات ابن سعد ق ۲ جلد ۲ ص۵۱ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۵۵۴ و ص۵۵۵ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ معارج النبوۃ رکن ۴ باب ۱۴ فصل ۳ ص۲۵۳ وسیلۃ النجات ص۲۳ و ص۲۴۔

[2] تاریخ الخمیس الجزو ثانی ص۱۸۹ و ص۱۹۰ استیعاب الجزو الاوّل ص۲۷ ترجمہ علی تاریخ طبری جلد ۳ ص۲۰۴ و ص۲۰۵ طبقات الکبریٰ ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص۶۰ و ص۶۱ و ص۷۶ و ص۷۸۔

لے گئے۔ اور وہاں بھی لوگ ان کی بیعت کرتے رہے، حتیٰ کہ دن گزر گیا اور اس مشغولیت نے لوگوں کو دفن رسولؐ میں شریک ہونے سے محروم رکھا۔ آخر شب سہ شنبہ اور صبح تک حضرت ابوبکر اخذ بیعت میں مشغول رہے عروہ سے مروی ہے کہ سرکار رسالتؐ کے دفن کے وقت حضرت ابوبکر و عمر موجود نہ تھے بلکہ اس وقت وہ دونوں مجمع انصار میں خلافت کے لئے جھگڑ رہے تھے۔ اور ان دونوں حضرات کے وہاں سے آنے سے پہلے رسولؐ خدا دفن ہو چکے تھے۔ [1]

حضرت ابوبکر کی اس روز سیاسی مصروفیات کا یہ عالم تھا، کہ آپ کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ رسولؐ اللہ کی وفات کس دن ہُوئی۔ چنانچہ اپنی بیٹی ام المومنین بی بی عائشہ سے پوچھا کرتے تھے کہ تم نے رسولؐ اللہ کو کتنی چادروں میں کفن دیا اور حضورؐ کی وفات کس دن ہوئی۔ [2]

منگل کے روز آپ کی تجہیز و تکفین کا کام شروع ہُوا۔ اس میں عموماً آپ کے اعزہ یعنی حضرت علیؑ، حضرت فضل بن عباس اور اسامہ بن زید وغیرہ شریک تھے۔ [3]

جناب امیر المومنین نے جب بیعت ابی بکر سے انکار کیا اور اپنے استحقاقِ خلافت کو پیش کیا تو بشیر بن سعد انصاری نے یہ سُن کر کہا۔ یا علیؑ اگر یہ کلام انصار پہلے سنتے تو آپ کے سوا کسی دوسرے کی بیعت کبھی نہ ہوتی، آپ نے فرمایا:۔

کیا میں رسولؐ کو بے گور و کفن چھوڑ دیتا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر خلافت کے لئے تم سے نزاع کرتا۔ یہ تو مجھے کبھی بھی گوارا نہ ہوتا۔ اور نہ ہی میرے لئے زیبا تھا۔ [4]

کاش تجہیز و تکفین رسالتؐ کے لئے تمام صحابہ میں ایسا احساس ہوتا تو دنیا کے

---

[1] سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص۲۹۳ و ص۲۹۴ تاریخ طبری ج ۳ ص۱۹۸ و ص۲۰۱ تاریخ کامل ج ۲ ص۱۲۳ کنز العمال جلد ۳ حرف الخا کتاب الخلافت ص۱۴۰ حدیث ص۲۲۲۸ [2] صحیح بخاری شریف باب وفات یوم الاثنین

[3] تاریخ اسلام مؤلفہ سید عبد القادر صاحب مرحوم و پروفیسر محمد شجاع الدین ص۱۵۰

[4] کتاب الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ۔

محسنِ اعظم محمد مصطفٰےؐ کے جنازہ میں چند گنتی کے انسان نہ ہوتے اور لوگوں کو "مصطفٰےؐ را بے کفن بگذاشتند" کہنے کا موقع نہ ملتا۔ اَپنے قائدِ روحانی کے جنازے کے ساتھ ایسے سلوک کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

انیسواں باب

اخلاق واوصاف محمدؐیہ ارواحنالہ الفدا

تاریخ کی حیثیت سے ہماری اس تالیف میں صاحب خلقِ عظیم محمد مصطفٰےؐ ارواحنالہ الفدا کے اوصاف جلیلہ، اخلاق حمیدہ وصفات جمیلہ کا ضمناً تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن اس عظیم الشان انسان کے کردار و سیرت کے بیان کے لئے جو اللہ کی طرف سے مصلح اعظم انسانیت بن کر آیا ہو۔ جو ربّ العالمین کی تمام مخلوق پر رحمۃ للعالمین بھی ہو۔ اور نذیر للعالمین بھی اور تمام عالم کی اخلاقی، اقتصادی، روحانی اور سیاسی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہو۔ جس نے تمام عالم کی اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی قدروں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہو۔ ایک بے پایاں دفتر کی ضرورت ہے۔

قرآن ترجمان اخلاق

حضرت ام المومنین بی بی عائشہ سے جب سرکارِ رسالتؐ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا۔ انہوں نے جو کچھ بیان کیا وُہ مختصر سا جملہ "خلقہ القرآن" ہے یعنی حضورؐ کے اخلاق کی اگر معرفت درکار ہو تو قرآن پڑھو۔ جو کچھ قرآن کے الفاظ میں ہے وہ سیرت محمدؐیہ میں عمل کا پہلو لئے ہوتے ہے۔ قرآن الفاظ خدا ہیں اور محمدؐ فعلِ خدا ہیں۔ رسولؐ اللہ بنی نوع انسان کے لئے نمونہ کاملہ ہیں۔ اس لئے

قرآن مجید نے مسلم کو آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، آپ کی سیرت کا یہ کمال بلکہ معجزہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی سیرت سے تیرہ نمونہ ہائے کاملہ اور پیدا کئے۔ یہ بھی سرکارِ رسالتؐ کا اسی طرح اعجاز ہے۔ جس طرح قرآن اعجاز ہے۔ قرآن الفاظ کے لحاظ سے اعجاز ہے تو آلِ محمدؐ کے تیرہ معصوم اعمال وافعال کے لحاظ سے معجزہ ہیں۔ اگر کوئی کتاب تعلیمات کے لحاظ سے معجزہ ہوسکتی ہے۔ تو ان تعلیمات کو جامۂ عمل پہنانے والے کیوں معجزہ نہیں۔ دنیا کا کوئی عظیم انسان اپنی عظمت کو پورے طور پر اپنی اولاد میں اس طرح منتقل نہیں کر سکا جس طرح سرکارِ رسالتؐ نے اپنی آغوش میں پلنے والے بچّوں میں منتقل کیا۔ کہ جسے بھی دیکھو محمدؐ نظر آتا ہے۔ گویا یہ انسان محمدؐ نما آئینے ہیں۔

اگر اُم المومنین نے رسُولؐ کے متعلق کہا کہ رسولؐ اللہ کا خلق قرآن ہے۔ تو خود رسولؐ اللہ نے اپنے تربیت کردہ علیؑ مرتضٰےؑ کے متعلق فرمایا۔ "علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔" علیؑ کے اعمال قرآن کو بیان کرنے والے ہیں۔ اور قرآن کے الفاظ علیؑ کو بیان کرتے ہیں۔

حدیث ثقلین

اہلِ بیت کے متعلق فرمایا۔ "میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور ایک میری عترت و اہلِ بیت اگر تم لوگ ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے، تو میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے۔ یعنی قرآن کے الفاظ کو جامۂ عمل پہناتے رہو گے اور عترت و اہلِ بیت کے افراد معصومینؑ کی سیرت میں اپنی سیرت کو ڈھالتے رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ بروز قیامت میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔

فاطمۃ بضعۃ منی

سیدہ طاہرہؑ کے لئے فرمایا۔ "فاطمہؑ میرا ایک حصہ ہے۔" یعنی نمونہ کاملہ کے لحاظ سے میرے دو حصے ہیں۔ میں مردوں کے لئے نمونۂ کاملہ ہوں اور فاطمہؑ عورتوں کے لئے

نمونۂ کاملہ ہیں امام حسین علیہ السلام کے لئے فرمایا "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔" بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہؐ اپنی سیرت کاملہ کے نمونہ اور تعلیمات قرآنیہ سے ایک بھی معصوم انسان پیدا نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ بنی نوع انسان کے تزکیہ نفس کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ رسولؐ کی تنقیص شان اور رسول اللہؐ اور تعلیمات قرآن کی توہین ہے۔ رسول اللہؐ نے اپنی سیرت کے سانچے میں معصوم انسان بھی ڈھالے اور غیر معصوم انسانوں نے بھی اپنی صلاحیت و قابلیت و استعداد کے مطابق فائدہ اٹھایا۔

قرآن پاک نے انسانِ اعظم و رسولِ اکرم محمد مصطفیٰؐ کے اخلاق جامع مرقع اِنّكَ لعلیٰ خُلقٍ عظیم کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ یعنی اے رسولؐ! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔ آیئے اب سرکارِ رسالتؐ کے جمالِ صورت و سیرت کے خط و خال سے استفادہ کیجئے۔

حلیۂ مبارکہ

سرکارِ رسالتؐ کا قد میانہ تھا۔ اور اعضا متناسب و موزوں، رنگ گورا سرخی مائل، پیشانی کشادہ اور ابرو پیوستہ، بینی مبارک قدرے لمبی تھی۔ دہن مبارک چوڑا تھا۔ سر کے بال زیادہ گنجان نہیں تھے۔ نہ بالکل سیدھے تھے۔ نہ گھونگھر والے۔ ریش مطہر گھنی ہوئی، چہرا لمبا، آنکھیں سیاہ سرمگیں اور بڑی بڑی پلکیں تھیں۔ شانے بھرے بھرے اور دونوں مونڈھوں کی ہڈیاں چوڑی اور شانوں پر بھی بال تھے۔ سینۂ اقدس سے نافِ اطہر تک سیاہ بالوں کی ایک لکیر قائم تھی۔ ہتھیلیاں چوڑی تھیں اور بھری بھری کلائیاں لمبی تھیں۔ پاؤں کی ایڑیاں ہلکی اور نازک تھیں کفِ پا اتنے گہرے تھے کہ ان کے نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔ [1]

رفتار و گفتار

سرکارِ رسالتؐ میانہ رفتار تھے۔ لیکن ضرورت کے وقت جب تیز چلتے تھے، تو رفتار اِس قدر تیز ہو جاتی تھی، کہ گویا آپ

[1] حیوٰۃ القلوب علاّمہ مجلسی و شمائل ترمذی۔

ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ حضورؐ فطرتاً شیریں گفتار تھے اور نرم زبان، لفظ لفظ، اور فقرہ فقرہ جدا جدا اور ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے تھے، تاکہ سننے والے کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ اثنائے گفتگو میں ایک ایک بات کو تین تین مرتبہ فرماتے تھے، جس بات پر زور دینا ہوتا تھا۔ اس کا بار بار اعادہ فرماتے تھے۔ بلند آواز اور نہایت خوش الحان تھے، بے ضرورت کبھی گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ اکثر اوقات متفکر رہا کرتے تھے۔ اور زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ ہاتھ سے اشارہ کرنا ہوتا، تو پورا ہاتھ اٹھاتے اور ہتھیلی کا رُخ بدل دیتے۔ دورانِ تقریر کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ بات کرتے کرتے جب کبھی مسرّت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔ ہنستے بہت کم تھے، مسکراہٹ آپ کی ہنسی تھی۔ [1]

کبھی مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ دلجوئی اور تسکین دہی کے انداز میں تقریر فرماتے تھے۔ آپؐ کا کلام زوائد اور لغویات سے بالکل پاک ہوتا تھا۔ اور خلافِ مطلب کوئی بات نہیں فرماتے تھے۔ پُرمعنی فقرات فرماتے تھے، آپ کے مختصر کلمات میں بہت سے معانی و مطالب ہوتے تھے، آپ کا کلام حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا تھا۔ [2]

خوراک

سرکارِ رسالتؐ سادہ اور معمولی کھانا کھاتے تھے۔ مثلاً جَو اور خرما وغیرہ۔ جو آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ آپؐ تناول فرمالیتے تھے اور کسی چیز کے کھانے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔ بھوک کی شدّت سے پیٹ پر پٹی باندھے رہتے تھے، اقسامِ غلہ میں سال بھر کے کھانے سے زیادہ ایک دانہ کی بھی فکر نہیں کی جاتی تھی، اور آذوقہ سالانہ کے فراہم ہوجانے کے بعد جتنا بچ جاتا تھا۔ وہ سب کا سب خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ خربزہ شوق سے کھاتے تھے بدبُودار چیزوں سے ہمیشہ نفرت کرتے تھے۔ ککڑی۔ جو۔ خرمے یا نمک کے

[1] عین الحیوٰۃ علامہ مجلسی و سیرۃ النبی شبلی۔

[2] اسوۃ الرسول جلد ۴ ص ۲ علامہ اولاد حیدر بلگرامی۔

ساتھ تناول فرماتے تھے، انگور بھی بہت پسند تھا۔ خرما اور دودھ سے بھی شوق فرماتے۔ ثرید کو بہت دوست رکھتے تھے، شوربے میں کدو کا شوربا مرغوبِ خاطر تھا۔ پنیر اور روغن سے بھی رغبت تھی۔ خود شکار نہیں فرماتے تھے۔ مگر شکار کا گوشت تناول فرماتے تھے۔ آپ سرد سے شوق تھا۔ دُودھ سے رغبت تھی۔ دُودھ کبھی خالص اور کبھی پانی ملا کر نوش فرماتے تھے۔ کشمش۔ کھجور اور انگور پانی میں بھگو دیا جاتا۔ کچھ دیر بعد وُہ پانی نوش فرماتے، روٹی کے ساتھ کھانے والی چیزوں میں سرکہ اور سبزی میں کاسنی اور بادروج زیادہ پسند تھا۔ گھر میں لکڑی کا پیالہ یا کاسہ، ٹوٹا ہوا اور تاروں سے بندھا ہُوا تھا۔ اسی میں خوراک تناول فرماتے تھے۔ ۱؎

لباس

حضورؐ موٹے جھوٹے روئی کے بنے ہُوئے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ بردیمانی بھی پہنتے تھے اور بالوں کا جبہ بھی، اپنے کپڑوں میں خود پیوندِ پارہ کر لیتے۔ جوتے میں بھی آپ ہی پیوند لگا لیتے تھے، لباس کے متعلق نہ کوئی التزام تھا اور نہ پوشش وجسمانی آرائش کا انتظام تھا۔ سرکارِ رسالتؐ کا لباس صرف تین پارچوں پر تمام تھا۔ چادر، قمیص، تہمد، کہتے ہیں کہ پاجامہ کبھی نہیں پہنا، امام احمد بن قیم نے اسی پر قیاس کیا ہے کہ جب خریدا ہوگا تو پہنا بھی ہوگا۔ موزوں (جراب) کی عادت نہیں تھی۔ مگر بادشاہ حبشہ نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے وُہ آپ نے پہنے تھے۔

عمامہ کا شملہ کبھی دوشِ مُبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا، کبھی تحت الحنک کی طرح (گردن سے) لپیٹ لیا کرتے تھے، عمامہ کے نیچے کی ٹوپی سر سے لپٹی ہوتی تھی۔ اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں کی۔ لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاریدار (مخطط) چادریں پسند تھیں۔ جن کو حبرہ کہتے تھے۔ ۲؎

۱؎ حیواۃ القلوب مجلسی ص۱۲۰ و ص۱۲۱ مناقب ابن شہر آشوب۔

۲؎ سیرۃ النبیؐ جلد ۲۔

جامۂ حریر پہننے کی سخت ممانعت فرماتے تھے، پشمینہ کے موٹے جھوٹے کپڑے پہننے کی تاکید فرمائی ہے۔

آداب و اطوار

حضورؐ عقل وحکمت کی تعلیم کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ اس لئے علم وحکمت میں یگانہ تھے۔ آپ کا علم لدنی تھا۔ چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے "ہم نے تجھے سب کچھ پڑھا دیا۔ جو کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا۔" آپ نہایت حلیم، عادل، شجاع، مہربان اور غیور تھے، سخی ایسے تھے کہ کبھی آپ کے پاس درہم ودینار جمع نہیں ہُوا۔ ہمیشہ زمین پر بیٹھتے، زمین پر کھانا کھاتے اور زمین پر ہی سوتے تھے، اپنے کپڑوں اور نعلین میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے، گھر کے دروازے بنفس نفیس کھولتے اور بند فرماتے تھے دُنبیوں اور بکریوں کو اپنے ہاتھ سے دوہتے تھے اور اونٹوں کے پاؤں اپنے ہاتھ سے باندھتے تھے۔ ۱؎

رات کو سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر آرام فرماتے تھے، مجلس میں تکیہ لگا کر کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ فقراء ومساکین کے ساتھ بے تکلف بیٹھ جاتے تھے۔ ان کے ساتھ کھانا بھی تناول فرما لیتے تھے۔ مریضوں کی اکثر عیادت فرماتے اور جنازے کی مشایعت فرماتے، گفتگو میں صدائے مبارک کبھی درشت و تند نہیں ہوتی تھی۔ جو کوئی حاضرِ خدمت ہوتا۔ سلام میں ابتدا فرماتے۔ حق بات کہنے میں کسی کی خوشی یا غصّہ کا ذرا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔ ان کے دست و زبان مبارک سے کبھی کسی کو ضرر نہ پہنچا۔ ہر ایک پر رحم و شفقت فرمایا کرتے تھے۔ کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے تھے، سر مبارک کو ہمیشہ جھکائے رکھتے تھے تیراندازی اور اسپ رانی سے شغف تھا۔ مگر لہو ولعب کے لئے نہیں، بلکہ ورزش، ریاضت اور جہاد کے لئے۔

۱؎ مناقب شہر آشوب وحیواۃ القلوب۔

تقسیم اوقات

صبح کی نماز کے بعد سجادہ پر دو زانوں بیٹھتے، وہیں دربارِ رسالتؐ لگ جاتا۔ معرفت و حقیقت کے چشمے اُبلتے۔ پند و نصائح سے لوگوں کو مستفید فرماتے۔ علم و حکمت سے بہرہ اندوز فرماتے اور تصفیہ نزاعات و مقدمات فرماتے۔ وظائف و غنائم کا بھی اکثر یہی وقت ہوتا تھا۔ خوب دن چڑھے بیت الشرف میں تشریف لے جاتے اور وہاں امورِ خانگی میں مصروف ہو جاتے۔ ان مشاغل میں ظہر کا وقت آجاتا۔ نمازِ ظہر و عصر کے بعد پند و نصائح فرما کر گھر میں تشریف لاتے اور تمام اُمہات المومنین کے پاس تھوڑا عرصہ بیٹھتے، مغرب کے وقت پھر مسجد میں تشریف لاتے۔ عشا کے بعد تک محفلِ رشد و ہدایت گرم رہتی۔ اور قرآن حکیم اور ادعیہ ماثورہ کی تلاوت فرماتے ہوئے خوابِ استراحت میں چلے جاتے۔ آدھی رات کے بعد بیدار ہو جاتے۔ مسواک سرہانے رکھی رہتی تھی۔ بیدار ہوتے ہی مسواک فرماتے۔ مسواک کے بعد وضو فرماتے، پھر نماز کے لئے مصلّی عبادت پر کھڑے ہو جاتے آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی۔ سونے اور آرام کرنے کا معمول یہ تھا کہ دائیں کروٹ دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے۔ فرش خوب کا کوئی خاص التزام نہ تھا۔ معمولی سے معمولی بستر پر آرام کر لیا جاتا کبھی شتر و گوسفند کی کھال پر اور کبھی یونہی زمین پر لیٹ رہتے تھے۔ [1]

حضورؐ نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ عبادت و ذکر الٰہی دوسرا حصہ معاشرت و خانہ داری تیسرا حصہ امورِ عامہ۔ [2] پند و موعظت، تمدن و نظامِ سلطنت کے لئے وقف تھا۔

عبادتِ الٰہی

عبادت کے شغف پر قرآن مجید گواہ ہے۔ کبھی حکم ہوتا۔ "اے کمبلی اوڑھنے والے! رات کو تھوڑا حصہ اٹھا کرو۔" کبھی

[1] اسوۃ الرسول ج ۴ ص ۱۶۱۔ [2] روضۃ الاحباب۔

ارشاد ہوتا۔ "اے پاک! ہم نے اس لئے قرآن نازل نہیں فرمایا۔ کہ تم اس قدر تکلیف برداشت کرو۔" علم الٰہی نے اسی لئے صحفِ انبیائے سلف میں انہیں "احمدؐ" کے نام سے یاد کیا، کہ خدا کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے تھے۔ جس کثرت سے آپ نمازیں پڑھتے تھے، اسی کثرت سے روزے بھی رکھتے تھے اسلامی جہادوں میں جب تلواروں کی بجلیاں کوندتی تھیں۔ تیروں کے مینہ برستے تھے۔ خدا کا عاشق کامل نہایت خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھتا۔ اور مسلمانوں کو خدا وحدہٗ لاشریک کو یاد دلاتا تھا۔ اُحد میں برابر فرما رہے تھے۔ اللہ مولانا ولا مولا کم الا اللہ اعلیٰ واجل "خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا تو کوئی آقا نہیں۔ مگر اللہ جو بڑا اور بلند ہے"۔ جنگ خندق میں فرما رہے تھے۔ اللھم لاخیر الا خیر الاخرۃ فبارك فی الانصار والمھاجر۔ "خدایا بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے۔ مہاجرین و انصار کو برکت عطا فرما۔"

جب علی مرتضےٰؑ جنگِ خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکلے تو اس طرح دُعا فرما رہے تھے۔ رب لا تذرنی فرداً وانت خیر الوارثین "پالنے والے تو مجھے تنہا نہ چھوڑ۔ تو سب سے بہتر وارث ہے۔"

خوفِ خدا

جب آپ نماز کے لئے استادہ ہوتے تھے۔ چہرہ مُبارک کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ [1] عبادت الٰہی میں گریہ و زاری آپ کی خاص عادت تھی۔ عبداللہ ابن شنجر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو دیکھا۔ آپ نماز میں مشغول ہیں۔ آنکھوں سے برابر آنسو جاری ہیں روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ چکّی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔ جب بھی خشیتہ اللہ کی حالت طاری ہُوئی۔ افراطِ اشکباری کی یہی حالت ہوتی۔ [2]

[1] عین الحیٰوۃ۔
[2] اسوۃ الرسول جلد ۴ ص ۱۶۶۔

محبّتِ الٰہی

حبیب کے دل میں محبُوب کی محبّت کا اندازہ کرنا دشوار ہے اللہ سے اس قدر محبّت تھی کہ اللہ نے انہیں محبّت کا نمونہ قرار دیا۔ اور محبّت الٰہی میں ان کی پیروی کا حکم دیا۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ "اے رسول ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبّت کرتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔"

توکل علی اللہ

مکّہ کے زمانۂ قیام میں ایک دفعہ کفّار نے یہ مشورہ کیا کہ جب حضورؐ حرم محترم میں قدم رکھیں۔ انہیں قتل کردو سیّدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ان کے اس ارادہ کو سُن لیا۔ بے چین ہوگئیں۔ روتی ہوئی حاضرِ خدمت ہوئیں صورت حال کو بیان کیا۔ آپ نے تسکین دی۔ اسی وقت وضو فرما کر بیت اللہ میں تشریف لے گئے۔ کفار نے دیکھا اور خدا کی قدرت اور رسولؐ اللہ کی سطوت سے آنکھیں جھکالیں۔ یہ ہے توکل علی اللہ کا روحانی اثر۔

ایک دوسرے موقعہ پر مہاجر و انصار آپ کے خیمۂ اقدس پر پہرہ دے رہے تھے۔ تو آپ نے خیمۂ اقدس سے نکل کر ارشاد فرمایا۔ لوگو! واپس جاؤ۔ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے، مکہ میں جب کفار قریش مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا رہے تھے۔ جان سے مایوس ایک صحابی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور کفار کے تشدد کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ خدا کی قسم بہت جلد وہ وقت آتا ہے۔ جب یہ دین مرتبہ کمال کو پہنچ جائے گا۔ اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر باقی نہیں رہے گا۔

ایک دفعہ کسی غزوہ میں آپ درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک کافر آپہنچا اُس نے تلوار کھینچ کر کہا۔ اَب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ فرمایا۔ خدا وہ ایسا مرعوب ہوا۔ کہ تلوار میان میں کر کے پاس آبیٹھا۔

صبر و شکر

بچپن میں ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس کے بعد شفیق دادا کی شفقت سے محروم ہُوئے۔ چچا ابو طالب کفیل ہوئے۔ اعلانِ

نبوّت کے بعد وہی قریش کے مظالم و مفاسد کی سپر تھے انہوں نے انتقال فرمایا۔ مونس و غمگسار بی بی خدیجہ نے داغِ مفارقت دیا۔ صغر سنی میں کئی بچوں نے قضا کی۔ آپ نے انتہائی صبر و رضا کا مظاہرہ فرمایا۔ آنحضرتؐ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ آپ خیبر اور مکّہ کے فاتح اعظم کی حیثیت سے اپنے مفتوحہ شہروں میں داخل ہوتے ہیں تو اس شان سے کہ سر نیاز بارگاہِ رب العزّت میں جُھکا ہے اور لب مبارک پر خدا کی حمد و ثنا ہے۔

حُسنِ معاملہ

نبوّت سے پہلے جن لوگوں سے آپ کے کاروباری تعلقات تھے۔ انہوں نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کا اعتراف کیا۔ اس لئے قریش نے متفقہ طور پر آپ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوّت کے بعد بھی گو قریش کو آپ سے سخت عناد تھا۔ تاہم وہ اپنی امانتیں حضورؐ کے پاس ہی رکھتے تھے۔

عرب کا ایک مشہور سوداگر سائب تھا۔ وُہ مسلمان ہوکر بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہُوا۔ لوگوں نے اس کی صفت و ثنا کی اور آنحضرتؐ سے تعارف کرایا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ تجارت میں میرے شریک تھے۔ ساجھی تھے۔ لیکن ہمیشہ آپ نہایت صفائی سے معاملہ فرماتے تھے۔

عدل و انصاف

ایک دفعہ ایک عورت نے۔ جو خاندان مخزوم سے تھی۔ چوری کی، قریش کی عزّت کے پیش نظر لوگ چاہتے تھے۔ کہ اسے سزا نہ ہو اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہ بن زید سے حضورؐ کو بہت محبّت تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا، کہ آپؐ سفارش کیجئے۔ انہوں نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی کی درخواست کی آپؐ نے غضب آلود ہوکر فرمایا، کہ بنی اسرائیلؑ اسی کی بدولت تباہ ہُوئے کہ وُہ غربا پر حد جاری

کرتے تھے۔ اور امرا سے درگذر کرتے تھے۔

طارق محازی کا بیان ہے۔ کہ جب ہم سرکارِ رسالتؐ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوتے۔ تو حضورؐ خطبہ دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک مرد انصاری نے کہا۔ یہ لوگ بنی ثعلبہ کے قبیلہ سے ہیں۔ اِن کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بدلہ میں ایک آدمی قتل کرا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔

جود وسخا

عطا و جود کی یہ حالت تھی۔ کہ جو شخص حاضرِ خدمت ہوتا اور کبھی سوال کرتا۔ آپ کچھ نہ کچھ اس کو ضرور عطا فرما دیتے ورنہ وعدہ فرماتے۔ آپ کے اس انداز کو دیکھ کر لوگوں کو اس قدر دلیری ہو گئی تھی کہ ایک دفعہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا اور آپؐ کا دامن پکڑ کر کہا۔ میری ایک معمولی حاجت باقی رہ گئی ہے۔ خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں۔ اس کو پورا کر دیجئے۔ چنانچہ آپؐ اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور اس کی حاجت براری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر اُحد کا پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا۔ کہ تین راتیں گزر جائیں، اور میرے پاس ایک دینار رہ جائے لیکن وہ دینار جسے میں ادائے قرض کے لئے رکھ چھوڑوں۔

ایفائے عہد

ابو الحمیسا بیان کرتے ہیں کہ قبل بعثت میں نے سرکارِ رسالتؐ سے کوئی معاملہ کیا تھا، کہ آپؐ نے ایک مقام پر آنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں بھول گیا اور وعدہ کے مقام پر نہ اس دن گیا اور نہ اس کے دوسرے دن۔ تیسرے دن مجھے یاد آیا۔ میں گیا تو آنحضرتؐ تین دن سے وہیں موجود تھے۔ صادق آلِ محمدؐ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ سرکارِ رسالتؐ نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہارے

آنے تک یہیں کھڑا تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ آپ کھڑے تھے۔ اتنے میں دھوپ تیز ہو گئی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ سایہ میں تشریف لے آئیں تو بہتر ہے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسی جگہ کے لئے وعدہ کیا ہے اگر وہ نہ آیا تو میں یہیں کھڑا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں مرجاؤں اور یہیں سے محشور ہوں۔

ایثار

آپؐ کی سیرت میں جو صفت سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ اور جس کا اثر ہر موقع پر ظاہر ہوتا رہا۔ وُہ صفت ایثار ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ بنی غفار کا ایک شخص آ کر مہمان ہُوا۔ رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دُودھ تھا۔ وُہ آپؐ نے اس کی نذر کر دیا۔ اہلِ وعیال نے تمام رات فاقہ سے بسر کی، حالانکہ اس سے پہلی شب بھی گھر میں فاقہ ہی تھا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی۔ آپ کو ضرورت تھی۔ آپؐ نے لے لی، ایک صاحب حاضرِ خدمت تھے، انہوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے آپ نے ان کو اتار کر دے دی۔ جب حضورؐ تشریف لے گئے۔ تو لوگوں نے اس شخص کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو، کہ حضورؐ کو چادر کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہو کہ سرکارِ رسالتؐ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تو برکت کے لئے ایسا کیا ہے کہ مجھ کو اس چادر کا کفن دیا جاتے۔

کبھی ایسا ہوتا۔ کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ ہوتا۔ وہ انہیں پیش کر دیا جاتا اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے۔ آپؐ راتوں کو اُٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری فرماتے تھے۔

گداگری اور سوال سے نفرت

لوگوں کا شدید ضرورت کے بغیر مانگنا حضورؐ کو سخت ناگوار تھا۔ اس لئے اکثر ارشاد فرماتے تھے۔ کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھہ پیٹھ پر لاد کر لاتے اور بیچ کر اپنی آبرو بچاتے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔

جۃ الوداع میں آنحضرتؐ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے دو شخص سوالی بن کر سامنے آئے۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر جب ان کی طرف دیکھا تو وُہ تندرست و تنومند تھے اور ان کے اعضا ہاتھ، پاؤں وغیرہ درست تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو۔ تو اس میں سے دے سکتا ہوں۔ لیکن ایسے لوگوں کو جو تندرست ہوں۔ کام کرنے کے لائق ہوں یا غنی ہوں، اس میں کوئی حصّہ نہیں۔

قبصیہ ایک صحابی تھے، قرض سے تنگ آ کر خدمتِ سرکار رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ اپنی حالت عرض کی۔ حضورؐ نے مدد فرمانے کا وعدہ کیا۔ پھر ارشاد فرمایا اے قبصیہ سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کے لئے جائز ہے۔ ایک وہ جو قرض سے بہت زیرِ بار ہو۔ وُہ مانگ سکتا ہے۔ لیکن جب اُس کی ضرورت پوری ہو جاتے، تو اسے سوال کرنے سے رُک جانا چاہیئے۔ دوسرے وہ شخص جس پر کوئی ناگہانی مصیبت آگئی ہو۔ جس نے اس کے تمام سرمایہ کو برباد کر دیا ہو۔ اس کے لئے بھی درستی حالات تک مانگنا جائز ہے۔ تیسرے وُہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو۔

اس کے علاوہ جو شخص کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وُہ حرام کھاتا ہے۔

صدقہ، تحف وہدایا

صدقہ آنحضرت اور حضورؐ کی آلؑ پر مطلقاً حرام ہے یہی فرق آلؑ و اصحاب میں ہے، آپؐ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تھا۔ تو دریافت فرماتے، ہدیہ ہے یا صدقہ۔ اگر ہدیہ کہتا تو قبول فرماتے۔ اگر یہ کہتا کہ صدقہ ہے۔ تو ہاتھ روک لیتے۔ اور اصحاب کو عنایت فرما دیتے۔ ایک دفعہ امام حسن علیہ السّلام نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی، آپؐ نے فرمایا بیٹا اسے تھوک دو۔ صدقہ آلِ محمدؐ پر حرام ہے۔

ہدیہ کے متعلق فرماتے تھے۔ تَهَادُوْا تَحَابُوْا "باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تاکہ باہم محبت پیدا ہو" ہدیہ ازدیادِ محبّت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے ہدیہ بھیجتے بھی تھے اور قبول بھی فرماتے تھے، بی بی عائشہ سے روایت ہے۔ کان یقبل الھدیۃ و یشیب علیھا - یعنیؐ آنحضرت ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ بھی دیتے تھے۔"

قرب و جوار کے امرا و رؤسا، ملوک و سلاطین آپ کی خدمت میں تحائف بھیجتے تھے۔ شام سے ایک رئیس نے ایک خچر بھیجا، عزیز مصر نے بھی ایک خچر بھیجا۔ قیصر روم نے ایک پوستین بھیجی۔ حضور نے اسے جعفر طیار کے ذریعہ بادشاہ حبش نجاشی کو بھیج دیا۔

رہبانیت سے پرہیز

بعض اشخاص میلان طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرتؐ نے ان کو باز رکھا، کسی غزوہ میں ایک صحابی کا کسی غار پر سے گزر ہوا۔ جس میں پانی تھا۔ اور آس پاس کچھ پودے تھے۔ خدمت سرکارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ مجھے ایک غار مل گیا ہے۔ جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترکِ دنیا کروں۔ فرمایا۔ میں یہودیت اور نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ میں آسان اور سہلِ ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔

حضرت ابوذر غفاری سے ارشاد فرمایا، اے ابا ذر دو رکعت نماز میانہ جس کو تم نے نہ بہت طول دیا ہو، اور نہ بہت مختصر کیا ہو۔ وُہ بہتر ہے اس رات بھر کی عبادت سے جو فراموشی دل کے ساتھ پڑھی گئی ہو۔

زیادہ مدح کی ناپسندیدگی

زیادہ مدح و تعریف کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ کی مجلس اقدس میں ایک شخص کا ذکر ہوا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کی بہت مدح و تعریف کی۔ حضورؐ

نے فرمایا کہ تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی ہے۔ ان الفاظ کو حضورؐ نے کئی بار دہرایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں کسی شخص کی خواہ مخواہ مدح کرنی ہو تو یوں کہو، میرا ایسا خیال ہے۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ مِحجن ثقفی سے پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ مِحجن نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی۔ ارشاد فرمایا۔ دیکھو کہیں یہ نہ سُن لے۔ ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ یعنی اس کے دل میں غرور پیدا ہو گا۔ جو باعثِ ہلاکت ہے۔

مساوات

عدل، رسالت کا مقتضا تھا۔ کہ حضورؐ کے نزدیک غلام و آقا کبیر و صغیر، مفلس و مالدار، امیر و غریب سب مساوی ہوں۔ اس لئے دربارِ رسالتؐ میں بلال وصہیب شرفائے مہاجرین و انصار کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے۔ اور بے تکلف رو بہ رو گفتگو کرتے تھے۔ صحابہ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ سرکارِ رسالتؐ ان کے شریک ہوتے تھے اور معمولی مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔ مدینہ آ کر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ حضورؐ بنفسِ نفیس اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ غزوۂ احزاب میں جب سب صحابہ خندق کھود رہے تھے تو سرکارِ رسالتؐ بھی ایک عام مزدور کی طرح کام کر رہے تھے یہاں تک کہ شکم مبارک پر خاک اور مٹی کی تہ جم گئی تھی۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا۔ تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ سرکارِ رسالتؐ نے جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسولُ اللہ یہ کام ہم خدام کریں گے۔ فرمایا۔ ہاں سچ ہے۔ لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔ خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا۔ جو کام کرنے میں اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنے۔

خیر خواہِ خلق کا احترام

سرکارِ رسالتؐ کی مجلس میں جو اشخاص شامل ہوتے تھے۔ ان میں ایسے لوگوں کو آپؐ سب سے زیادہ جلیل القدر سمجھتے تھے۔ جو عام طور سے مسلمانوں کے خیر خواہ ہوتے تھے۔

اور اکثر فرماتے تھے۔ وہ شخص مسلمان نہیں جو صبح کو اُٹھے۔ اور مسلمانوں کے امور میں اہتمام نہ کرے۔ وہ بھی مسلمان نہیں جو مسلمانوں کی فریاد رسی نہ کرے۔ لوگوں نے پوچھا۔ سب سے زیادہ محبوبِ خدا کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ وہی شخص سب سے زیادہ خدا کو محبوب ہے۔ جو مسلمانوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچاتے۔ (علین الحیوٰۃ)

دوسروں کا کام کرنا

خباب بن ارث ایک صحابی تھے۔ سرکارِ رسالتؐ نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا۔ خباب کے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بناء پر ہر روز ان کے گھر جاتے اور دُودھ دوہ دیا کرتے تھے۔

حبش سے جو مہمان آئے تھے۔ صحابہ نے چاہا کہ وہ اِن کی خدمت کریں۔ لیکن آپؐ نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ انہوں نے پردیسی مہاجروں کی خدمت کی ہے اس لئے میں خود ان کی خدمت کا فرض انجام دوں گا۔ کفّارِ ثقیف جنہوں نے طائف میں حضورؐ کے پائے مُبارک کو زخمی کیا تھا۔ ۹ھ میں وفد لے کر آئے آپؐ نے اِن کو مسجد میں اتارا اور بہ نفسِ نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کئے۔ عبداللہ ابنِ ادنئے ایک صحابی ہیں۔ وُہ کہتے ہیں۔ کہ سرکارِ رسالتؐ کو بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں عار نہ تھا۔

عزم و استقلال

حضورؐ عزم و استقلال کی انتہا پر فائز تھے ابتدائی زندگی سے انتہا تک آپؐ کی تمام تبلیغی جدوجہد آپ کے عزم و استقلال کا ایک تفصیلی دفتر ہے۔ تمام عرب کا عرب مخالفت پر اُمڈ آیا لیکن وقارِ نبوّت اور عزمِ رسالتؐ نے ان کی ذرّہ برابر پرواہ نہیں کی۔ اور انہیں ٹھوکریں کھا کھا کر آخر اس تاجدار عزم و استقلال کی بارگاہ میں سرِ عقیدت خم کرنا پڑا۔ مکّہ کی تیرہ سالہ زندگی میں لگاتار ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر یاس و ہراس کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔ اکثر مصائب میں فرماتے

تھے۔ خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال پر پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعا سے حضرموت تک سوار اس طرح بے خطر چلا جاتے گا۔ کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔

غزوۂ اُحد میں آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ تو سب نے حملہ کی رائے دی۔ لیکن جب آپؐ خود زرّہ پہن کر آمادۂ پیکار ہُوتے تو صحابہ نے رُک جانے کا مشورہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ پیغمبر زرّہ پہن کر نہیں اتار سکتا۔ یہ اس کی شانِ استقلال کے خلاف ہے۔ غزوہ حنین میں جب بنی ہوازن کے تیر اندازوں نے لگا تار تیروں کی بوچھاڑ کی۔ تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے۔ لیکن آپؐ نہایت سکون و اطمینان سے چند جانبازوں کے ساتھ میدان میں جمے رہے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ "میں پیغمبرِ صادق ہوں، میں فرزندِ عبدالمطلبؓ ہوں۔"

شجاعت

غزوۂ حنین میں حضرت براءؓ شریک تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تم حنین سے بھاگ گئے تھے۔ جواب دیا، ہاں سچ ہے۔ لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ سرکارِ رسالتؐ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔ خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی۔ تو ہم لوگ آپؐ کے پہلو میں آکر پناہ لیتے تھے۔

حضرت انس بن ثابت کہتے ہیں کہ سرکارِ رسالت مآبؐ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہُوا، کہ دشمن آگئے۔ لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے لیکن سب سے پہلے سرکارِ رسالتؐ آگے بڑھ کر نکلے۔ آپؐ نے کسی کا انتظار نہیں کیا۔ جلدی میں گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہوکر تمام خطرناک مقامات میں گشت لگائی۔ واپس آکر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔

اُبی بن خلف سرکارِ رسالتؐ کا سخت دشمن تھا۔ بدر میں فدیہ دے کر رہا ہُوا۔ اور ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ اس پر چڑھ کر مَیں محمدؐ کو قتل کروں گا۔ اُحد میں اس گھوڑے کو اڑاتا۔ صفوں کو چیرتا ہوا آپؐ

کے پاس پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے چاہا، اسے بیچ میں روک لیں۔ لیکن حضورؐ نے منع فرمایا۔ اور کہا آنے دو۔ ایک مسلمان سے نیزہ لے کر آپؐ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں انی چبھوئی، وہ ہائے ہائے کرتا ہوا بھاگا۔ لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں۔ تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں یہ سچ ہے۔ لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے۔

راست گفتاری

صداقت کی یہ انتہا تھی کہ دشمنوں سے بھی صادق و امین کہلوایا۔ کفار نے حضورؐ کو مجنون، محسور، شاعر کہا۔ مگر کاذب کبھی نہیں۔ ابوجہل کہا کرتا تھا۔ محمدؐ! مَیں تم کو جھوٹا نہیں کہتا۔ البتہ جو کہتے ہو مَیں اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔ قیصرِ روم نے اپنے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا۔ تمہارے ہاں جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے، اس دعوے سے پہلے تم نے اس کو جھوٹا بھی پایا ؟ ابوسفیان نے کہا نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا مجھے یقین ہے، اگر وہ خدا پر جھوٹ باندھتا۔ تو آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز آتا۔

ایفائے عہد

ابورافع ایک غلام تھے۔ حالتِ کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر آئے۔ حضورؐ کے روئے اقدس پر نظر پڑی۔ تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں اُتر گئی۔ عرض کی یا رسولؐ اللہ اَب میں کبھی کافروں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ فرمایا۔ نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو عہد شکنی کی اجازت دے سکتا ہوں۔ اَب تم واپس جاؤ۔ اور اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت رہی تو آجانا۔ وہ اس وقت واپس گئے اور پھر اسلام لاتے۔

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی تھی۔ ایسے موقعہ پر حضورؐ کی خواہش تھی کہ جس قدر تعداد زیادہ ہو بہتر ہے ایسے وقت میں سراپا وفا ابوحذیفہ بن یمان اور ابوجلیل مکّہ سے آرہے تھے۔ رستے میں کفار نے

انہیں روک کر کہا کہ تم محمدؐ کے پاس جا رہے ہو۔ اس شرط پر تمہیں رہا کیا جا سکتا ہے۔ کہ جنگ میں ان کا ساتھ نہ دو۔ انہوں نے عہد کیا۔ رہا ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے۔ صورت حال بیان کی۔ فرمایا۔ تم دونوں واپس جاؤ۔ ہم ہر حال میں وعدہ کی وفا کے حامی ہیں۔ ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

زہد و قناعت

مصنّفین یورپ کا خیال ہے کہ سرکارِ رسالتؐ جب تک مکّہ میں تھے، پیمبرانہ شان سے زندگی بسر کرتے تھے۔ مدینہ میں پہنچ کر شاہانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ تاجدارِ عرب بننے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صادق آلِ محمدؐ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے سوال کیا، کہ کہا جاتا ہے کہ سرکارِ رسالتؐ نے کبھی پیٹ بھر کر روٹی نہ کھائی۔ آپؐ نے فرمایا یہی نہیں بلکہ آپؐ نے گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ جَو کی روٹیاں بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ کبھی آپؐ کا کپڑا تہہ کر کے نہ رکھا گیا۔ یعنی صرف ایک جوڑا ہوتا تھا۔ دوسرا نہیں ہوتا تھا۔

وقتِ وفات آپؐ کی زرّہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جَو پر گرو تھی۔ جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی۔ اِن پر تلے اُوپر پیوند لگے ہوئے تھے۔ حالانکہ عرب حدودِ شام سے عدن تک فتح ہو چکا تھا۔

عفو و حلم

آنحضرتؐ نے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں احکام الٰہیہ کی توہین پر آپ سزا دیتے تھے۔

زید بن شعبہ جس زمانہ میں یہودی تھا۔ حضرت اس سے قرض لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وُہ میعادِ ادا سے پہلے تقاضہ کے لئے خدمتِ اقدس میں آیا۔ حضورؐ کی چادر پکڑ کر کھینچی۔ اور سخت سست کہا۔ حضرت عمر غصّہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا۔ او دُشمنِ خدا تو رسولؐ اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ عمر مجھ کو تجھ سے کچھ اور اُمید تھی۔ تجھے اُسے نرمی سے سمجھانا چاہیئے تھا۔ کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیئے تھا۔ کہ میں اس کا قرضہ ادا کروں۔ یہ فرما کر

حضرت عمر سے ارشاد فرمایا کہ یہ لو قرضہ ادا کر کے اسے بیس سیر کھجور اور زیادہ دیدو۔

دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسنِ سلوک

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ آپؐ نے کبھی دشمنوں سے انتقام نہیں لیا۔ انتقام کا سب سے بڑا موقعہ فتح مکہ کا دن تھا۔ جب ایسے دشمن سامنے آتے جو خون کے پیاسے تھے، اور جن کے ہاتھ سے آپؐ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچی تھیں، لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

"تمہیں آج کے دن کوئی پرسش نہیں، جاؤ تم آزاد ہو"

چچا کا قسی القلب قاتل وحشی، رحمۃ للعٰلمینؐ کے سامنے آ کر اسلام قبول کرتا ہے۔ آنحضرتؐ نے صرف اس قدر فرمایا، کہ میرے سامنے نہ آنا۔ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا حمزہؓ کی مظلومیت یاد آتی ہے۔

کفّار و مشرکین سے سلوک

ہم یہاں سرکارِ رسالتؐ کی مکّی زندگی کو پیش نہیں کریں گے۔ جب کفار مسلمانوں پر مظالم بپا کر رہے تھے۔ بلکہ یہ اس زمانہ کے واقعات ہیں۔ جبکہ آپؐ کو کفار پر غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ آپ کو عرب پر پورا اختیار حاصل تھا۔ ابوبصرہؓ غفاری کا بیان ہے کہ جب وُہ کافر تھے۔ مدینہ میں آنحضرتؐ کے پاس آ کر مہمان ہوتے اور رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دُودھ پی گئے۔ لیکن آپؐ نے کچھ نہ فرمایا۔

حضرت اسماء کہتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرک تھی، اعانت خواہ مدینہ میں آئی۔ آنحضرتؐ سے دریافت کیا۔ فرمایا ان کے ساتھ نیکی کرو۔

منافقین سے سلوک

کفّار کا ایک گروہ جس کا رئیس عبداللہ ابن ابی تھا۔ یہ لوگ در پردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے۔ آپؐ ان کے حالات سے واقف تھے، چونکہ شریعت کے احکام دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں۔ اس لئے حضورؐ ان پر کفر کے

احکام جاری نہیں فرماتے تھے، آپ فیاضانہ انداز میں ان سے ہمیشہ حسنِ اخلاق سے برتاؤ کرتے تھے۔ اور ہمیشہ عفو و حلم سے کام لیتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر نے کہا کہ کیا میں اس منافق عبداللہ بن ابی کی گردن اڑادوں، آپؐ نے فرمایا۔ لوگ چرچا کریں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

جنگِ اُحد کے موقعہ پر عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا۔ جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا۔ مگر حضورؐ نے درگذر فرمایا۔ جب وُہ مرا تو اس کے اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباس کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا۔ مسلمانوں کی ناراضگی کے باوجود آپؐ نے اپنے کرتہ کا کفن دے کر دفن کیا۔

یہود و نصاریٰ سے برتاؤ

حضورؐ یہودیوں کے ساتھ لین دین کرتے یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر جھگڑا ہوجاتا۔ تو آپؐ مسلمانوں کی بلا وجہ جنبہ داری نہیں فرماتے تھے۔

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا۔ تو آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی۔ اُس نے کہا، آپؐ جو فرماتے ہیں اسے بجالاؤ۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔

غریبوں کے ساتھ محبّت و شفقت

سرکارِ رسالتؐ مفلسوں اور ناداروں سے اس طرح پیش آتے تھے کہ افلاس و ناداری کے صدمے ان کے دلوں سے دُور ہوجاتے تھے۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں سرکارِ رسالتؐ تشریف لاتے۔ اور انہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ فقرا مہاجرین کو بشارت ہو کہ

وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ عبداللہ ابنِ عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ سُن کر ان کے چہرے مسّرت سے چمک اُٹھے اور مجھے حسرت ہوئی۔ کہ کاش میں بھی ان ہی میں ہوتا۔

مسلمانوں میں جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی۔ اُس کی نسبت حکم عام تھا۔ کہ ہر قبیلہ سردار زکوٰۃ امرائے شہر سے لے کر وہیں کے فقراء میں تقسیم کردی جائے۔ صحابہ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ اور ایک جگہ کی زکواۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے حضرت سلمان و بلال کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں تھا۔ کسی بات پر ڈانٹا تھا۔ سرکارِ رسالتؐ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر ان لوگوں کے پاس واپس آئے اور ان سے معافی مانگی۔

دشمنانِ جان سے عفو و درگذر

فتح مکّہ کے دنوں میں اسّی آدمیوں کا ایک دستہ مُنہ اندھیرے جبل تنعیم سے اُتر کر آیا اور چھُپ کر آنحضرتؐ کو قتل کرنا چاہا۔ یہ لوگ گرفتار ہوگئے۔ حضرتؐ نے اِن کو چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا۔ صحابہ اس کو گرفتار کرکے حضورؐ کے سامنے لائے۔ وُہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کرسکتے تھے۔

دشمنوں کے حق میں دُعائے خیر

ایک دفعہ خباب بن ارت صحابی نے عرض کیا۔ کہ دشمنوں کے حق میں بددُعا فرمائیے۔ یہ سُن کر چہرہ کا رنگ سُرخ ہوگیا۔ ایک دفعہ چند صحابیوں نے مل کر یہی بات کہی۔ فرمایا۔ میں دُنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جنگِ اُحد میں دشمنوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں

دندانِ مُبارک کو شہید کیا۔ جبین اقدس کو خون آلودہ کیا۔ اس کے جواب میں آپؐ نے دُعا دی۔" پالنے والے میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ لوگ نادان ہیں۔"

بچّوں پر شفقت

حضوؐر بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ جب آپؐ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچّے ملتے، ان میں سے کسی کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھلاتے راستہ میں مل جاتے تو خود ان کو سلام کرتے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپؐ کو اس سے بہت صدمہ ہوا۔ ایک صحابی نے عرض کیا، یارسولؐ اللہ وہ تو مشرکین کے بچے تھے، آپؐ نے فرمایا، کہ مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

ہجرت کے موقعہ پر جب حضوؐر مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، تو انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دروازوں سے نکل نکل کر اشعار پڑھ رہی تھیں۔ جب آپؐ کا ادھر سے گزر ہوا۔ فرمایا، اے لڑکیو! تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟ سب نے کہا ہاں اے اللہ کے رسولؐ! فرمایا۔ میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔

جابر بن سمرہ صحابی تھے۔ وُہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوکر حضوؐر گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آتے۔ آپؐ نے سب کو پیار کیا۔ اور مجھے بھی پیار کیا۔

غلاموں پر شفقت

سرکارِ رسالتؐ غلاموں پر خاص طور پر شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو، انہیں کھلاؤ۔ اور جو خود پہنتے ہو انہیں پہناؤ۔

حضوؐر کی ملکیت میں جو غلام آتے، آپ انہیں آزاد فرما دیتے، مگر وہ حضوؐر سے جُدا نہیں ہوتے تھے، زید بن حارثہ غلام تھے، حضوؐر نے آزاد فرما دیا۔

لیکن انہوں نے باپ کے پاس جانے سے حضوؐر کے قدموں میں رہنے کو ترجیح دی اِن کے بیٹے اسامہ سے حضوؐر بہت محبت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے، کوئی میرا غلام میری لونڈی نہ کہے، میرا بچہ میری بچی کہے۔

مستورات سے برتاؤ

دنیا میں صنفِ ضعیف کو وہ درجہ نہیں دیا گیا، جس کی وُہ مستحق تھی۔ اسلام دُنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے، جس نے انہیں ذلّت کے گڑھے سے نکال کر اس بلندی پر پہنچایا۔ جس کی یہ شایان تھیں۔ اسلام نے عورتوں کی حق رسی کی۔ اور عزّت و منزلت سے سرفراز فرمایا۔ انسانی سوسائٹی میں عورت کی تین حیثیتیں ہیں۔ اس کا بیٹی ہونا اس کا بیوی ہونا۔ اور اس کا ماں ہونا۔ بیٹی کے متعلق فرمایا۔" بیٹا اللہ کی نعمت ہے اور بیٹی اللہ کی رحمت ہے، بیوی ہونے کے متعلق قرآنی زبان سے فرمایا۔ "عورتیں تمہارا لباس ہیں۔" یعنی جس طرح لباس جسم انسانی کی حفاظت کرتا ہے۔ اس طرح بیوی ایمان و اخلاق کی محافظ ہے۔ ماں ہونے کے متعلق فرمایا۔ جنّت ماں کے قدموں میں ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا کے کسی تمدن نے عورت کو ورثہ سے سرفراز نہیں کیا۔ اسے باپ کا ورثہ دیا۔ شوہر کا ورثہ دیا۔ اور بیٹے کا ورثہ دیا۔ ان وارثوں کے علاوہ اس کی کمزوری کے پیشِ نظر اسے ایک پراویڈنٹ فنڈ بھی دیا۔ جسے "مہر" کہتے ہیں۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ازواج سرکارِ رسالتؐ تندمزاج اور باعثِ تکلیف تھیں۔ مگر آپ ان سے بھی لطف و کرم، عفو و حلم سے پیش آتے تھے فرماتے تھے اپنی بیویوں کو اذیّت نہ دو۔

حیوانات پر ترحم

پیغمبرِ رحمت حیوانات پر بھی بہت رحم فرماتے تھے، عرب میں حیوانات پر مختلف طریقوں سے ظلم کیا جاتا تھا۔ آپ نے ایسے احکام جاری کئے۔ جس سے اِن بے زبانوں پر مظالم کا خاتمہ ہوگیا۔ عرب زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے۔

اس کو پکا کر کھاتے تھے، آپؐ نے ممانعت فرمادی۔ جانوروں کی دُم اور ایال کاٹنے سے منع کیا۔ فرمایا۔ دُم ان کا مورچھل، ایال ان کا لحاف ہے۔ جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت فرمادی۔ جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز قرار دیا۔ عرب میں ایک خلافِ انسانیت یہ بھی دستور تھا۔ کہ جانوروں کو باندھ کر اسے نشانہ بناتے تھے۔ اور اس پر تیر اندازی کرتے تھے۔ اس سنگ دلی کی بھی ممانعت کردی۔ پرندوں کے انڈے یا ان کے بچے نکال لانے کی بھی ممانعت فرمائی۔

رقتِ قلب

سرکارِ رسالتؐ نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ غزوۂ اُحد کے بعد جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم بپا تھا۔ عورتیں اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر حضورؐ کا دل بھر آیا۔ فرمایا "کیا حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں" ایک دفعہ ایک صحابی زمانۂ جاہلیت کا قصّہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی سی لڑکی تھی (عربوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا کہیں کہیں دستور تھا) میں نے اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا۔ وہ مجھے ابّا ابّا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اِس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس سنگدلی کو سُن کر حضورؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوئے۔ آپؐ نے اسے بار بار دہروایا۔ روتے روتے آپؐ کی ریش مبارک تر ہوگئی۔

عیادت، تعزیت، غمخواری وغیرہ

سرکارِ رسالتؐ عیادت کے لئے دوست دشمن، مسلم و کافر کی تخصیص روا نہیں رکھتے تھے۔

بخاری اور ابو داؤد کی روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہُوا۔ حضورؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔

حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا۔ مگر حضورؐ پا پیادہ ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے۔ آپؐ عیادت کو تشریف لے گئے۔ ان کو دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوئی۔ آپ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔ ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ مر گیا تو لوگوں نے حضورؐ کو خبر نہ کی۔ ایک دن حضورؐ نے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ وہ انتقال کر گیا۔ ارشاد فرمایا تم نے مجھ کو خبر نہ کی، لوگوں نے اس کی تحقیر کی، یعنی وُہ اس قابل نہیں تھا۔ کہ آپؐ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی۔ آپؐ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔

جنازہ جاتا تو آپؐ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ۔ ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اِس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔ حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ سے آپؐ کو بہت محبت تھی۔ ان کے شہید ہونے کی خبر آئی تو آپؐ مجلسِ ماتم میں بیٹھے۔

لطفِ طبع

حضورؐ کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔ ایک بڑھیا خدمتِ اقدس میں آئی کہ حضورؐ میرے لئے دُعا فرمائیں۔ کہ مجھے بہشت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا۔ بڑھیا عورتیں بہشت میں نہیں جائیں گی۔ وُہ رونے لگی۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا۔ اس سے کہدو۔ بڑھیا عورتیں بہشت میں جائیں گی۔ مگر جوان ہو کر۔

ایک شخص نے آکر شکایت کی۔ کہ میرے بھائی کے پیٹ میں گرانی ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ۔ دوبارہ آئے۔ عرض کیا۔ شہد پلاؤ۔ لیکن شکایت اب بھی باقی ہے۔ آپؐ نے پھر شہد کی ہدایت فرمائی۔ سہ بارہ آئے۔ پھر وہی جواب ملا۔ چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا کہ خدا سچا ہے کہ شہد میں شفا ہے۔ لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ اس دفعہ جو شہد پلایا۔ تو شفا ہوگئی۔ مادہ فاسد کثرت سے موجود تھا۔ جب پورا تنقیہ ہوگیا۔ تو گرانی جاتی رہی۔

ایک شخص نے خدمت اقدس میں عرض کیا۔ کہ مجھے کوئی سواری عنایت ہو۔

فرمایا۔ میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ آپؐ نے فرمایا کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو؟

اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی۔ حضورؐ کا معمول تھا کہ جب کبھی سفر میں جاتے تو سب سے پہلے معصومۂ کونین فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا۔ وہ سرکارِ عصمت وطہارت حضرت فاطمہؑ ہی ہوتیں۔

سیدہ طاہرہ فاطمہؑ جب کبھی آپؐ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھلاتے۔ ایک دفعہ آپؐ دعوت میں جا رہے تھے امام حسین علیہ السلام راہ میں کھیل رہے تھے۔ آپؐ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے وہ ہنستے ہوئے پاس سے آکر نکل جاتے تھے، بالآخر آپؐ نے ان کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا۔ پھر فرمایا حسینؑ مجھ سے ہے، میں حسینؑ سے ہوں۔ ایک دفعہ حسینؑ دوش مبارک پر سوار تھے۔ کسی نے کہا۔ کیا اچھی سواری ہے، آپؐ نے فرمایا۔ سوار بھی اچھے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے۔ حسنینؑ میرے پھول ہیں۔ پھر ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹا لیتے۔

بیسواں باب

سیاسیاتِ سرکارِ رسالت ارواحنا لہ الفدا

حکومت اور اسلام

اسلام انسانی زندگی کا مکمل پروگرام

اسلام اِنسانی زندگی کا مکمل ترین پروگرام ہے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور ان پر چھایا ہوا ہے۔ اخلاق ہو یا معاشرت، تمدن ہو یا سیاست، وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی صحیح معنوں میں رہنمائی کر رہا ہے۔ انسانی زندگی کے لئے نمونۂ کاملہ ذاتِ قدسی صفات سرکارِ رسالت محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفدا ہیں۔ وہ دنیا میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی خرابیوں کو دُور کرنے کے لئے مبعوث برسالت ہوتے تھے۔ نظریۂ حکومت بھی ان کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ تھا۔ حکومت بھی حضورؐ کے دائرۂ اختیار میں داخل تھی۔ اس لئے زندگی کے اس شعبہ میں اُمّت کی رہنمائی ان کے فرائضِ منصبی میں داخل تھی۔ حکومت کے اثرات جو رعایا پر پڑتے ہیں۔ وُہ ظاہر ہیں، کہا جاتا ہے۔ "الناس علیٰ دین ملوکھم" "لوگ اپنے بادشاہوں کی روش پر ہی ہوتے ہیں"۔ اچھی حکومت انسانی معاشرہ کو بلند کر کے معراجِ کمال پر پہنچاتی ہے اور بری حکومت انسانی معاشرہ کو قعرِ مذلت میں دھکیل دیتی ہے۔

حکیم ارسطو کا نظریۂ حکومت

آج سے صدیوں پہلے یونان کے فلسفی معلّم حکیم ارسطو نے اپنا نظریۂ حکومت

دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور اس کے نقائص کے باوجود دنیا آج تک اسی نظریہ کے گرد چکر کاٹ رہی ہے۔ یہ نظریہ ارسطو کے دستورِ اساسی کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اس فاضل حکیم نے حکومت کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ شخصی حکومت یا ملوکیت۔ (GOVT. OF THE ONE)
۲۔ اعیانی حکومت یا اشرافیت۔ (GOVT. OF THE FEW)
۳۔ جمہوری حکومت یا جمہوریت۔ (GOVT. OF THE MANY)

سرکارِ رسالتؐ کی حکومت

اسلام کے نمونۂ کاملہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت ان اقسام میں سے کسی قسم سے بھی تعلق نہیں رکھتی تھی۔ سرکارِ رسالتؐ کی حکومت شخصی حکومت نہیں تھی، جو انہیں وراثت میں ملی ہو، یا پہلے حکمران نے انہیں نامزد کیا ہو۔ سرکارِ رسالتؐ کو کسی خاص کمیٹی نے بھی منتخب نہیں کیا تھا۔ جو ہم ان کی حکومت کو اعیانی حکومت کہہ سکیں۔ جمہورِ عرب نے بھی ان کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ جو ہم سرکارِ رسالتؐ کی حکومت کو جمہوری حکومت کہہ سکیں، ان کی حکومت میں مجلس وضع قانون بھی نہیں تھی۔ کہ مسلمانوں نے اس مجلس وضع قانون کو انتخاب کیا ہو، اسلام میں واضع قانون سرکارِ احدیت اللہ ہے، اور اس قانون کو رواج دینے کا فریضہ سرکارِ رسالتؐ کے ذمّہ تھا۔ جو اللہ کے مقرر کردہ اللہ کے نامزد، منصوص من اللہ رئیس مملکت تھے۔ ان کی رسالتؐ کے تحت حکومت بھی تھی۔ جمہوریّت کے مدح جمہوریّت کی توضیح ان الفاظ میں فرماتے ہیں: GOVERNMENT OF THE PEOPLE, BY THE PEOPLE, FOR THE PEOPLE.

"لوگوں کی حکومت لوگوں کے ذریعے سے لوگوں کے لئے" یعنی جمہوری حکومت جمہور کے ذریعے جمہور کے لئے۔

سرکارِ رسالتؐ کا نظریہ حکومت

سرکارِ رسالتؐ انسانیت کو اس پُر فریب دلدل سے نکال کر اس پُر امن نظامِ حکومت پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ جس کی توضیح حضورؐ کے اسوۂ حسنہ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

GOVT OF GOD BY THE REPRE—SENTATIVE OF GOD FOR THE CREATION OF GOD.

"اللہ کی حکومت، اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ، اللہ کی مخلوق کے لئے"

سرکارِ رسالتؐ کے نظریہ میں تغیّر

سرکارِ رسالتؐ کے ارتحال پُر ملال کے بعد مسلمانوں میں اختلاف رُونما ہوا۔ اور ایک گروہ نے حکومت کے اِس نظریہ کو جسے رسولؐ اللہ کے علم و عمل نے پیش کیا تھا چھوڑ دیا۔ اور وُہ ارسطو کے پُرانے نظریۂ حکومت اور اس کے اقسام ثلاثہ کے گرد گھومنے لگے۔

اے گدائے ریزۂ از خوانِ غیر ۔۔۔ جنس خود میجوئی از دکانِ غیر
قدرِ شمشادِ خودت نشناختی ۔۔۔ سرو دیگر را بلند انداختی
مثلِ نے خود راز خود کردی تہی ۔۔۔ بو نوائے دیگراں دم میزنی

(علامہ اقبالؒ)

پہلے خلیفہ کا انتخاب عربی رسم کے مطابق

تاریخ خلافت اسلامیہ المعروف تاریخ اسلام کے تین مصنف لکھتے ہیں:۔

محمّد صلعم کی وفات کے بعد جو اہم مسئلہ مسلمانوں کو پیش آیا۔ وُہ خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ اس انتخاب کی تصریحات نہ تو قرآن میں ملتی ہیں۔ اور نہ رسولؐ اللہ نے ان کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا۔ قدیم عربی رسم کے مطابق قوم کا سردار قوم کے لوگ اکثریت رائے سے منتخب کرتے تھے اس لئے وہی طریقہ حضرت ابوبکر کے انتخاب کے

وقت اختیار کیا گیا۔ (تاریخ خلافتِ اسلامیہ صفحہ ۶۸)

اس طریق انتخاب پر تبصرہ

۱۔ ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابو بکر کا انتخاب نہ قرآن کے طریق پر ہُوا۔ اور نہ سُنّتِ رسولؐ پر۔ بلکہ عرب کی قدیم رسم پر۔ اگر آپ خلیفہ منہاجِ نبوّت پر نہیں ہُوئے۔ تو پھر انہیں خلیفۂ رسولؐ کی بجائے بادشاہ عرب کیوں نہ کہا جاتے۔ جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ اگر قرآن پاک حکومت جیسی اہم چیز کے متعلق اس طرح خاموش ہے تو کیا ہم مسلمان، اقوام غیر مسلمہ کے سامنے قرآن پاک کے کامل ترین کتاب ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

۳۔ اگر رسولؐ اللہ نے حکومت کے متعلق نظریاتی اور عملی لحاظ سے ہماری رہنمائی نہیں فرمائی تو کیا رسُولؐ اللہ اسلام کا نمونۂ کاملہ ہو سکتے ہیں؟ اور کیا اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے؟

۴۔ کیا رسولؐ اللہ سیاست کے لحاظ سے دین کو اس قدر ناقص چھوڑ گئے تھے کہ مسلمانوں کو رسولؐ اللہ کے ارتحال پُر ملال کے بعد قدیم عربی رسوم کی جانب رجعت کرنا پڑی۔

قرآن حکیم نے تو حضرت طالوت کے قصّہ میں صاف بتلا دیا ہے:۔

۱۔ حکومت الٰہیہ میں بادشاہ کا تقرر نص کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسے اللہ مقرر کیا کرتا ہے۔ بندے نہیں چنا کرتے۔

۲۔ اس کی پہلی صفت طہارت، پاکیزگی اور عصمت ہوتی ہے، وُہ اصطفیٰ کے بلند مرتبہ پر فائز ہوتا ہے وہ مصطفےٰ ہوتا ہے۔

۳۔ وہ علم میں یگانہ روزگار ہوتا ہے۔

۴۔ وہ شجاعت و جرأت میں افضل و برتر ہوتا ہے، جو اللہ کے حکم کے مطابق کبھی اظہار شجاعت کرتا ہے، اور کبھی صبر کا مظاہرہ کرتا ہے

خود رسولؐ اللہ منصوص من اللہ بادشاہ تھے۔ اور ان میں وہ تمام اوصافِ حمیدہ اور صفاتِ عالیہ موجود تھے، کبھی حکم الٰہی سے جہاد میں مظاہرۂ شجاعت فرماتے تھے اور کبھی مشیتِ الٰہی کے تقاضے سے صبر فرماتے تھے، اور اللہ تعالےٰ ان کے بعد انہی صفات کے مالک کو رسولؐ اللہ کے ذریعے ولی امور خلق مقرر کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایامِ حجۃ الوداع میں اسی فریضہ کے متعلق رسولؐ اللہ کو حکم الٰہی پہنچا: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ (الانشراح)

"اے رسولؐ جب تم فارغ ہو چکو، تو اپنا (جانشین) مقرر کردو۔ اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو۔" اس کے بعد پھر یہ حکم نازل ہُوا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ، آیت) "اے رسُولؐ! جو کچھ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو، اگر ایسا عملاً نہ کیا تو تم نے اپنی رسالت ہی نہیں پہنچائی۔ اللہ آدمیوں کے شر سے تمہیں محفوظ رکھے گا۔"

ان احکام کے ماتحت رسولؐ اللہ نے خم غدیر کے مقام پر اپنے جانشین کا اعلان فرما دیا۔ قرآن مجید مسلمانوں کی دورِ جاہلیت کی طرف رجعت کو بھی استفہام سے بیان کر چکا تھا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ (آل عمران، آیت نمبر ۱۴۴)

"محمدؐ مصطفےٰ نہیں ہیں. مگر رسول، ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں۔ اگر یہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟"

رسولؐ اللہ کی حکومت جمہوریہ نہیں تھی

رسولؐ اللہ کی حکومت میں جمہوریت کا ذرہ بھر شائبہ بھی موجود نہ تھا۔ یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ رسولؐ اللہ اکثر امور میں صحابہ سے مشورہ

فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے آپکی حکومت جمہوری تھی یا آپ جمہوری نظام کو پسند فرماتے تھے، قطعاً غلط ہے۔

رسول اللہؐ جمہور کے نمائندہ نہیں تھے، بلکہ منصوص من اللہ حکمران تھے۔ وہ جمہور کی رائے یا مرضی سے حکومت نہیں کر رہے تھے بلکہ تابع اوامر الٰہیہ تھے۔ رسول اللہؐ نہ کسی جماعت قانون ساز کے تابع تھے نہ عدلیہ کے پابند۔ قانون خدا کا تھا۔ اور آپؐ قرآن کو نافذ بھی فرماتے تھے۔ اور اس کی تشریح بھی کرتے تھے۔

رسول اللہؐ منصوص من اللہ حاکم بھی تھے، فوجوں کے کمانڈر بھی۔ جج بھی تھے اور رئیسِ خزانہ بھی۔ ٹیکس لگانے والے بھی اور ٹیکس وصول کرنے والے بھی۔ حالانکہ کوئی نظام جمہوری حکومت کے یہ تمام شعبے کسی ایک شخص کو تفویض کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جمہوریت میں یہ اختیارات الگ الگ لوگوں کے ہاتھ میں رکھے جاتے ہیں۔

رسول اللہؐ نہ جمہوری حکمران تھے۔ نہ عوام نے انہیں منتخب کیا تھا۔ اور نہ وہ عوام کے سامنے جواب دہ تھے۔ وہ اللہ کے مقرر کردہ تھے، اور اللہ ہی کو جواب دہ۔ عوام صرف ان کی اطاعت پر مامور تھے۔

رسول اللہؐ لوگوں سے مشورہ ضرور فرماتے تھے، لیکن یہ مشورہ تشکیل قانون کے متعلق نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہی امور مملکت کے متعلق۔ بلکہ اس کا مقصد نفاذِ قانون و طریقِ کار میں افراد کی دلجوئی اور ہمواری تھا۔

ان حقائق سے معلوم ہوا۔ کہ رسول اللہؐ کے بعد اگر رئیسِ مملکت انہی امتیازات کا حامل ہو۔ تو اس کی حکومت منہاج رسالتؐ پر ہو سکتی ہے۔ جمہور کی منتخب حکومت منہاج جمہور پر ہوگی۔ رسول اللہؐ کی خصوصیات کی حامل حکومت ہی حکومت الٰہیہ کہلائے گی۔ اور جمہور کی منتخب حکومت، حکومت جمہوریہ۔ پہلی حکومت اسلامیہ اور دوسری مسلمانوں کی حکومت، پہلی حکومت روحانیہ اور دوسری حکومت مادیہ، پہلی سُنّت اللہ کی کفیل ہے۔ دُوسری ارسطو کے دستوریہ کی مظہر۔

حکومتِ سرکارِ رسالتؐ ارواحنا له الفدا

سرکارِ رسالتؐ اور قیامِ امن

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں مسلسل جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ اس قتل و غارت کی وجہ سے عرب کی تجارت ختم ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے امن کو بحال کیا اور عرب کی راہیں محفوظ ہوگئیں اور بغیر محافظ کے قافلے سفر کرنے لگے۔

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے سامراجی طاقتیں عرب کو اپنی غلامی کی گرفت میں لینا چاہتی تھیں۔ حدودِ شام پر رومیوں کا قبضہ، یمن، عمان اور بحرین پر ایران قابض تھا حضورؐ نے عرب کو سامراجی طاقتوں سے آزاد کیا۔ اور ان خارجی طاقتوں کو اپنے مذموم ارادوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے شام سے نکالے ہوئے یہودی عرب میں صیہونی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ فدک، خیبر، وادی القریٰ اور تیما میں اپنی فوجی چھاؤنیاں بنا چکے تھے۔ حضورؐ نے یہودیوں کی حکومت سے عرب کو بچالیا اور یہودی نو آبادیات پر اسلامی قبضہ ہوگیا۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں لاقانونیت تھی، آنحضرتؐ نے ایسے قوانین نافذ کئے۔ جن سے جرائم کا انسداد ہوا۔ اور ملک میں امن بحال ہوا۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے عرب میں بُت پرستی عام تھی۔ حضرتؐ نے انسانیت کو ذلیل کرنے والی بُت پرستی سے بنی نوع انسان کو آزادی دلائی۔ سرکارِ رسالتؐ سے پہلے صنفِ نسواں کو ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ حضورؐ نے عورت کے درجہ کو بلند کیا۔ انہیں میراث کا حق دیا۔ ان کے لئے ایک پراویڈنٹ فنڈ رکھا۔ جسے مہر کہتے ہیں۔ ان کے لئے حقوق و فرائض قائم کئے۔

سرکارِ رسالتؐ سے پہلے دولت کی غلط تقسیم نے بنی نوع انسان کے کثیر حصّہ کو کچل دیا تھا۔ آپ نے خمس و زکوٰۃ کے فریضوں سے "کماؤ اور تقسیم کرو" کے اصول کو فروغ دیا۔ سرمایہ کی ناجائز افزائش کو حرمتِ سود اور ممانعتِ ذخیرہ اندوزی سے روکا۔ اور ایسے قوانین وضع کئے جس سے مملکتِ اسلامیہ میں کوئی شخص بھوکا نہیں مر سکتا۔ تقسیم وراثت کے اصول سے سرمایہ داری کی بڑھتی ہوئی کیفیت پر پہرے بٹھلا دیئے۔

سرکارِ رسالت سے پہلے عرب میں غلامی کی رسم انتہائی مذموم صورت اختیار کر چکی تھی۔ حضورؐ نے غلامی کے قلع قمع کی بنیاد رکھی، غلاموں کو مساویانہ حقوق دیئے۔ انہیں غلام کی بجائے شریک کار قرار دیا۔ اور احکامِ خیرات کے ایسے دروازے کھول دیئے کہ جس سے کسی تشدّد کے بغیر غلامی کا خود بخود خاتمہ ہو جاتے۔ مثلاً بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھنے پر یا روزہ توڑنے پر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم وغیرہ۔ سرکار رسالتؐ نے تبلیغ اسلام کا ذریعہ فتوحات ملکی یا تشدد کو قرار نہیں دیا۔ تمام اطراف و جوانب میں دعاۃ اسلام روانہ فرماتے۔ جو اسلام کی خوبیاں بتلا کر لوگوں کو دعوتِ اسلام دیں۔ البتہ مبلغوں کے ہمراہ ان کی حفاظت خود اختیاری کے لئے چند مسلح آدمی بھیج دیئے جاتے تھے۔ تاکہ دعاۃ اسلام ہر طرح کے ضرر سے محفوظ رہیں۔

خالد بن ولید کو تبلیغ کے لئے بھیجا۔ تو ایسے چند مسلح آدمی ان کے بھی ساتھ تھے، لیکن ان کے اخلاق کے پیش نظر انہیں تاکید فرمائی، کہ جابرانہ روش بالکل اختیار نہ کریں۔ وُہ چھ مہینے دعوتِ اسلام کے منصب پر مامور رہے جب اس سے کوئی اثر مترتب نہ ہوا۔ تو پھر حضرت علیؑ کو بھیجا۔ انہوں نے قبائل کے سامنے اسلام کو ایسے نفسیاتی اور پیمبرانہ انداز میں پیش کیا۔ کہ ملک کا ملک مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالد کو بنو خزیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن جب انہوں نے کشت و خون شروع کر دیا۔ اور آپؐ کو

اس کا علم ہوا۔ تو آپؐ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور قبلہ رُخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "خدایا میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں"۔

پھر حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا۔ یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

علامہ طبری لکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے مکّہ کے اطراف میں مبلغوں کے کچھ گروہ بھیجے تھے۔ کہ وہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں۔ لیکن ان کو لڑائی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

حضورؐ نے مختلف ممالک میں سفیر بھی مقرر کئے اور مختلف ممالک میں خیر سگالی کے وفود بھی روانہ کئے۔ اور مختلف ملکوں کے وفود کا خیر مقدم بھی کیا۔

انتظامِ ملکی

رسول اللہؐ کا زمانہ امن و امان کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ کی تصویر کشی آیۂ استخلاف میں ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا کہ ان کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح سے عطا فرماتے گا۔ جس طرح کہ گذشتہ اُمتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی۔ اور ان کے اس مذہب کو جس کو اس نے ان کے لئے پسند کیا۔ یقیناً قوت بخشے گا اور ان کی بے امنی کو امن سے بدل دے گا۔ کہ مجھ کو پوجیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔ پس اس کے بعد جو ناشکری کرے گا۔ پس نافرمان وہی ہے۔ (سورہ نور آیت ۵۵ پ۱۸)

امن و امان کا یہ وعدہ جزوی طور پر پورا ہو گیا۔ پھر لوگوں نے ناشکری کی۔ اور منہاجِ رسالت پہ قائم حکومت کو بدل دیا۔ اب یہ وعدہ کلی طور پر آخری زمانے میں پورا ہو گا۔ جب کہ زمین عدل و انصاف سے اسی طرح پُر ہو جائے گی۔ جیسی کہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہو گی۔ اس زمانہ میں دین کو تمکین حاصل ہو گی۔ اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہو گی۔ اس زمانہ میں اگرچہ سرکارِ رسالتؐ

کا سن شریف ساٹھ برس کا ہو چکا تھا۔ لیکن حکومت کے تمام امور کو بنفسِ نفیس انجام دیتے تھے۔ گورنروں اور عاملوں کا تقرر، مبلغین کا تعین، جوڈیشنل اور اگزکٹو افسروں کا چناؤ، محصلین زکوٰۃ و جزیہ کا انتخاب۔ اقوام مختلفہ سے صلح کے معاہدے، مسلمانوں میں تقسیم جائیداد، ترتیب افواج، مقدمات و تنازعات کے فیصلے، خونریزیوں کا انسداد۔ جرائم کے لئے اجرائے تعزیر، عمالِ ملک کے عمل کی خبر گیری اور احتساب آپؐ کی ذاتِ گرامی صفات سے ہی متعلق تھے۔

فوجوں کی کمانڈ

چھوٹے چھوٹے غزوات میں لشکر کی سپہ سالاری اہل افراد کے سپرد کی جاتی تھی۔ لیکن بڑے بڑے معرکوں میں فوجی قیادت کے فرائض بنفسِ نفیس ادا فرماتے تھے۔ آپؐ افواج کو لڑانے کے علاوہ عساکر کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ آپ غزوات میں مجاہدین کی معمولی اور جزوی بے اعتدالیوں پر گرفت فرماتے تھے۔ عام طور پر غزوات میں حضرت علیؓ کو نشانِ فوج عطا فرماتے تھے۔

فصل قضایا

آپؐ کے عہدِ سلطنت میں قضا کا منصب قائم ہو چکا تھا۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ علیہ التحیتہ والثناء قاضیٔ یمن مقرر ہوئے۔ آپ نے اس منصب کو ایسے عادلانہ، معصومانہ اور عاقلانہ انداز سے انجام دیا۔ کہ سرکارِ رسالتؐ نے اپنی زبان وحئی ترجمان سے اقضاکم علیاً کی سند عطا فرمائی۔ یعنی علیؓ تم میں سے قابل ترین جج ہیں۔

تحصیل جزیہ و زکوٰۃ

محصلین جزیہ و زکوٰۃ کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا۔ جس میں بالتصریح یہ ہدایت کی جاتی تھی۔ کہ کس قسم کے مال کی گنتی میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے۔ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا۔ مگر محصلین نے قبول نہ کیا۔

صدقہ و زکوٰۃ حرام

راعی اور رعایا کے تعلقات ٹیکس کے سوال پر خراب ہو جاتے ہیں۔ محکوم رعایا کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ ان کے خون پسینہ کی کمائی سے حکام گلچھرے اڑاتے ہیں، رسول اللہؐ نے تمدن کی اس خرابی کی اصلاح کے لئے اپنی ذات پر صدقہ اور زکوٰۃ کی حرمت کا اعلان کر کے بتلایا، کہ ہم تمہارے ٹیکس کھانے کے لئے حکومت کا بوجھ نہیں اٹھاتے ہمارے ہاں اعلان حکومت زکوٰۃ لینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ دینے پر ہوتا ہے۔ اسی لئے میرے جانشین کی ولایت کا اعلان زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد کیا گیا ہے۔ پس تمہارا والی وہی ہے جو زکوٰۃ نہ لے۔ بلکہ حالت رکوع میں بھی زکوٰۃ ادا کرے۔ صدقہ و زکوٰۃ خاندانِ رسالتؐ پر حرام تھا۔ اس لئے خاندانِ نبوّت کا کوئی شخص صدقہ و زکوٰۃ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔

عمال کا تقرر

عمال کا تقرر خود رسول اللہؐ فرماتے تھے، اور جو لوگ اپنے آپ کو خود اس خدمت کے لئے پیش کرتے تھے۔ ان کی درخواست نامنظور ہوئی تھی۔

ذرائع آمدنی

اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غنیمت فئے زکوٰۃ، جزیہ۔ خراج۔ اول کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔

خمس

غنیمت کا پانچواں حصّہ خمس تھا، جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا تھا۔ اس خمس کا نصف خاندانِ رسالتؐ کے اغراض و مقاصد پر صرف ہوتا تھا۔ باقی نصف اسلام کے مصالح اغراض کے لئے مخصوص تھا۔ غنیمت کے علاوہ خمس اور ذرائع سے بھی حاصل ہوتا تھا۔

مالِ فئے

خدا اور رسولؐ کے لئے خاص تھا۔

زکوٰۃ زکواۃ کے سات مصرف تھے۔ فقراء۔ مساکین۔ نومسلم۔ غلام جن کو خرید کر آزاد کیا جاتا تھا۔ مقروض۔ مسافر اور محصلین زکوٰۃ۔

جزیہ جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت و ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا۔ نیز فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہونے کا معاوضہ تھا۔ عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔

خراج غیر مسلم کاشت کاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصّہ باہمی طور پر طے کر کے لیا جاتا تھا۔ خراج کہلاتا تھا۔

زرعی اراضی کی آباد کاری جو شخص افتادہ زمینوں کو آباد کرے۔ وُہ زمینیں اس کی ملکیت ہو جاتی تھیں۔ جو شخص کسی چشمہ پر قبضہ کرلے۔ جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا۔ وہ اسی کا قرار دیا جاتا تھا۔ آباد کاری کے لئے حضورؐ نے مختلف افراد کو زمینیں عطا بھی فرمائی تھیں۔ چراگاہوں کے استعمال کی اجازت تھی۔ چراگاہیں وقفِ عام تھیں۔

جنگ کی اجازت اور عورتیں آپؐ نے خاص حالات میں ہی جنگ کی اجازت دی۔ جنگ کو صرف اِن حالات میں جائز قرار دیا۔ جب کہ کوئی اور چارۂ کار نہ رہے۔ اور اس کے لئے ایسے قوانین وضع کئے۔ جس سے جنگ کی ہلاکتیں اور اس کے نقصانات کم ہو جائیں۔ مثلاً عورتوں۔ بچّوں۔ مزدوروں اور عبادت گزاروں پر تلوار نہ چلاؤ۔ اور مقتولوں کے اعضاء نہ کاٹو۔ اور زخمیوں کی شکل نہ بگاڑو۔ صلح کے لئے تاکید فرمائی کہ جب دشمن صلح چاہے تو جنگ فوراً بند کردو۔ اور مخالف کو پناہ دو۔

ختم شد

کتب مجالس، مرثیہ جات، نوحہ جات

ذخیرۃ المجالس، از حکیم سید غلام حیدر کرار، ۴ حصے ۲۲۰/
گوہرِ غم : خواتین کے لیے مجالس از غدیر فاطمہ مرحومہ
پندرہ پندرہ مجالس کا مجموعہ، ۲ جلدیں ۹۰/-
بحرِ غم : خواتین کے لیے مجالس از ذاکرہ مبارک بانو ۲ جلدیں ۱۵۰/
قلزم ماتم خواتین کے لیے ۱۵ معرکتہ الآرا مجالس ۴۵/
نعیم الابرار، تقاریر علامہ غلام حسین آف ساہیوال
ذاکرین کے لیے مجالس، ۴ جلدیں، فی ۱۲۵/
۱۴ چودہ بصیرت افروز مجالس، از مولانا ابن حسن جارچوی ۵۵/
خطیب آلِ محمدؐ، مجموعہ تقاریر مولانا اظہر حسن
زیدی مرحوم، ۵ جلدیں ۲۱۰/
کفایت الواعظین، علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم
کی تقاریر کا مجموعہ۔ ۳ جلدیں ۲۲۰/
مجالس شبیر، علامہ شبیر نجفی مرحوم کی تقاریر ۶۵/
سفینۃ البکاء فی مصائب سید الشہداء پچاس مجالس ۶۵/
معجزہ اور قرآن، از علامہ ضمیر اختر نقوی ۲۰۰/
خطیب شامِ غریباں، تقاریر علامہ عرفان حیدر مرحوم ۱۰۰/
ریاض القدس، از آقائے صدر الدین قزوینی
فضائل و مصائب، ۲ جلدیں ۵۲۵/
معالی السبطین فی احوال الحسنؑ و حسینؑ، ۲ جلدیں ۴۰۰/
مفتاح الجنۃ، ۴ کے عدد پر مجالس ۱۲۵/

انوارِ خمسہ، ۵ کے عدد پر مجالس ۱۷۵/-
سترِ مقتل، سلام گذاری و نوحہ خوانی ۳۰/
سترِ محفل، نعت خوانی و تحت اللفظ ۲۵/
مجموعہ قصائد، عقیدت کے پھول از سیدہ لطیف النساء ۱۲۵/
تحائفِ ظہور، قصائد از سید ظہور جارچوی ۸۰/
منتخباتِ دبیر، مرزا دبیر کے مرثیے ۲ جلدیں ۷۰/
خونِ جگر، قدیم نوحہ جات کا مجموعہ ۲۰/
منتخب رباعیات، انیس و دبیر کی رباعیات ۹/
بیاضِ نجم، نجم آفندی مرحوم کے نوحہ جات ۳۰/
معراجِ سخن، از آغا مسعود رضا خاکی مرحوم ۳۰/
سلامِ نجم اور کاروانِ ماتم، از نجم آفندی مرحوم ۲۰/
نذرِ منتظر، مرثیے از ظہور جارچوی ۵۰/
نورِ اول و حسنِ حسینؑ، از ظہور جارچوی ۷۰/
عظیم مرثیے، از قیصر بارھوی مرحوم ۷۰/
منتخب مرثیے، از قیصر بارھوی مرحوم ۱۰۰/
قیصر بارھوی کی مرثیہ نگاری ۱۵۰/-
بارگاہ : قصائد از قیصر بارھوی مرحوم ۱۲۵/
ظہورِ فکر، از ظہور جارچوی (مرثیے) ۲۰/
تجلیاتِ حسن، قصائد از سید حسن عباس زیدی ۵۰/
• ندائے ماتم (نوحے) ۱۰/ • جلوس ماتم (نوحے)

ملنے کا پتہ : افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور نمبر ۱